دہلی، لاہور، لکھنؤ،

اس کتاب مین سیاسیات کی بنیاد "ریاست" کے مبادیات بیان کئے گئے ہین، پہلے باب مین ریاست کے معنی، اس کی پیدایش کے اسباب، اوراس کے اجزاء و عناصر بتائے گئے ہین، دوسرے باب مین ریاست کی ابتداء کے متعلق مختلف حکماء کے نظریئے اور ان پر تنقید ہے، تیسرے باب مین ریاست کے بنیادی مسائل اقتدار اعلیٰ، اور آزادی، یعنی حکومت، قانون حقوق و فرائض اور شخصی آزادی وغیرہ پر اصولی بحثین ہین، سیاسیات کے مبادی کے لئے یہ کتاب مفید ہے،

الدروس العربیہ جزو اول و ثانی، شائع کردہ ٹسٹ بک کمیٹی، مدراس، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ و ۲۰ صفحے کاغذ سپید ٹائپ صاف و روشن قیمت ۵ ر و ۶ ر،

یہ دونون عربی زبان کی ریڈرین ہین، انھین اس طرح جدید طرز پر لکھا گیا ہے، کہ صرف و نحو اور ادب کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی جاتی ہے، اس مین صرف و نحو کے قواعد بتانے کے بجائے انھین عربی فقرون اور عبارتون مین برت کر دکھایا گیا ہے، ہر سبق کے شروع مین اس کے قاعدہ کی طرف اشارہ کردیا ہے، یہ معلم کا کام ہے کہ وہ عربی فقرون اور عبارتون سے قاعدون کو سمجھانا اور انکی مشق کرا جائے، تمام فقرے روزانہ کی بول چال اور ضروریات زندگی سے متعلق ہین، اسلئے عربی بولنے اور لکھنے کی بھی مشق ہوتی جاتی ہے، ان ریڈرون مین جو لغات آئے ہین، کتاب کے آخر مین انگریزی مین اس کے معنی دیدیئے گئے ہین، اگر پڑھانے والا اچھا ہو، تو ان ریڈرون سے آسانی کے ساتھ ابتدائی عربی آسکتی ہے،

"م"

"جلد ۴۵" ماہ محرم الحرام ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۴۰ء "عدد ۳"

مضامین

شذرات

۲۵ جنوری سنہ۴۰ء سے ۲۵ فروری سنہ۴۰ء تک پورا ایک مہینہ لکھنؤ، حیدرآباد دکن، پونہ اور بمبئی کے سفر میں گذرا، حیدرآباد اس دفعہ گو ڈیڑھ ہی برس کے بعد جانے کا اتفاق ہوا، مگر اس ڈیڑھ ہی برس میں حیدرآباد کی علمی و ادبی و تعلیمی ترقیوں میں غیر معمولی اضافہ پایا، اور یہ بات بلا مبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے عہدِ حکومت کا ہر سال علمی و ادبی ترقیوں کا ایک پورا دور ہوتا ہے،

اس ڈیڑھ سال کے عرصہ میں سب سے پہلی ملاحظہ طلب چیز جامعہ عثمانیہ کا کلیۂ فنون (آرٹس کالج) ہے، یہ پہاڑ سی مضبوط اور پھول جیسی خوبصورت عمارت تیشۂ کوہکن اور حسنِ شیریں دونوں کی ایک ساتھ تصویر ہے، عمارت کے نیچے کا حصہ طالب علموں کے اجتماعات کے لئے ہے، اور اوپر کی منزلیں تعلیم کی ہیں، مشرقیات اور شعبۂ دینیات کے شعبے ایک طرف ہیں، دوسری طرف سنسکرت، تامل، تلنگو، کنتری وغیرہ زبانوں کے کمرے ہیں، دوسرے علوم کے کمرے بھی پہلو بہ پہلو ہیں، ایک پوری منزل کتبخانہ کی ہے، جو نئی طرز پر طبقہ بہ طبقہ لوہے کی الماریوں اور ستونوں پر قائم ہے، ناظر کتبخانہ ہمارے دار العلوم ندوہ کے ایک تعلیم یافتہ گریجوایٹ ہیں،

جامعۂ عثمانیہ کے دائرہ کے قریب ہی ایک نیک دل مسلمان نے بڑی محنت سے ایک مسجد بنائی ہے، اسی مرکز کے گرد ہمارے دو دوستوں مولانا عبد الباری ندوی اور مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کی قیامگاہیں ہیں، مولانا عبد الباری صاحب تو گویا مسجد کے حجروں ہی میں قیام پذیر ہیں، ایک

فلسفی کو مسجد میں قیام پذیر دیکھکر دین و دنیا کے اجتماع کا وہ اگلا سا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جسکی نسبت عربی شاعر نے کہا ہے،

ما احسن الدین والدنیا اذا اجتمعا

درویش عالم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کالج کے درس کے بعد مسجد میں چند خوش نصیبوں کو قرآن پاک کا درس، اور سکندرآباد کی جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیتے ہیں، موصوف کی آواز اور بیان میں تاثیر کا دریا موجیں مارتا ہے، وہ تقریر نہیں کرتے اپنے دل کے ٹکڑے بکھیرتے ہیں، اور یہ آواز دیتے ہیں،

"من قاشِ فروشِ دلِ صد پارۂ خویشم"

شہر کے اندر اس سال کی نئی ترقیوں میں صدر شفاخانہ طبیہ اور نظامیہ طبیہ کالج ہے، جو شہر کے مشہور مرکزی مقام چار مینار کے پیچھے واقع ہے، واقعہ یہ ہے کہ میں اس کے تمام شعبوں کو اور اس کے اہتمام و انتظام کی خوبیوں کو دیکھکر ششدر ہو گیا، اس کے ناظم مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم کے لائق شاگرد حکیم مقصود علی خاں ہیں، اور دوسرے اطبا اور اساتذہ بھی زیادہ تر مسیح الملک مرحوم ہی کے تلامذہ اور ان کے خاندان کے مستفیدین میں ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کسی ستارہ شناس نے آسمانِ طب کے سارے منتشر ستاروں کو ایک مرکز پر جمع کر لیا ہے،

اس شفاخانہ اور طبیہ کالج کی اہمیت و عظمت کو سمجھنے کے لئے اتنا کافی ہے کہ کسی میڈیکل کالج کو اپنے سارے اہتمام و انتظام اور وسعت کے ساتھ صرف اتنے فرق کے ساتھ تصور کر لیجئے کہ ڈاکٹروں کی جگہ اطبا ہیں اور انگریزی دواؤں کی جگہ طبی دوائیں اور علاج کے طریقے ہیں، ہر چیز نہایت صاف ستھری، عمارت نہایت بلند اور خوبصورت، دوائیں، دواؤں کے بنانے کے کمرے، مریضوں کے کمرے، پڑھائی کے کمرے، ہر چیز سلیقہ اور ستھرائی کے ساتھ نظر آئی،

اساتذہ کے پکڑنے، ان کے طریقۂ تعلیم کو دیکھا، کتبخانہ دیکھا، تعلیمی شعبوں میں ایک نیا شعبۂ تاریخ طب کا بھی تھا، جس میں تاریخی تحقیقات سے بتایا جاتا ہے کہ بہت سی وہ باتیں جو نئی سمجھی جاتی ہیں وہ ہماری قدیم طب کے گوشوں میں بھی پڑی ہوئی ہیں، غرض قدیم وجدید کی وہ خوشگوار آمیزش یہاں نظر آئی جو مرحوم حکیم اجمل خاں کی طبی زندگی کی انتہائی خواہش تھی، اس کو دیکھکر یہ جی چاہا کہ جس طرح طب قدیم کی تجدید کا وہ خواب جو حکیم صاحب مرحوم نے دیکھا تھا سرکار آصفیہ کے زیر سایہ پورا ہوا، ایسے ہی مولانا شبلی مرحوم نے قدیم اسلامی علوم کی تجدید کا جو خواب دیکھا تھا وہ بھی خدا کرے اسی سرکار کے زیر سایہ پورا ہو،

انجمن ترقی اردو کے دلی منتقل ہو جانے کے بعد یہاں انجمن کی ایک شاخ قائم ہوگئی ہے جو چند سرگرم عمل کام کرنے والوں کے ہاتھوں میں ہے، اس کی طرف سے اردو کا ایک جلسہ ہوا جس میں اردو کی موجودہ صورتِ حال پر میں نے تقریر کی اور بتایا کہ ملک میں اس کی ترقی کے لئے کہاں کہاں کیا کیا ہو رہا ہے،

یہاں اردو کا ایک اور ادارہ بھی دیکھا جس کا نام "ادارۂ ادبیات اردو" ہے، اس کے چلانے والے زیادہ تر جامعۂ عثمانیہ کے نوجوان گریجویٹ ہیں، جن کی سربراہی پروفیسر زور، عبد القادر سروری، عبد المجید صدیقی وغیرہ کر رہے ہیں، دو تین ہی سال کے عرصہ میں اس ادارہ نے سو کے قریب کتابیں شائع کر دی ہیں، کچھ کتابوں اور اردو کے قدیم اخباروں کا سرمایہ بھی جمع ہوگیا ہے، اردو کے ہر دور کے شاعروں، مصنفوں اور ادیبوں کے مرقع بھی رکھے ہیں، اردو کی تاریخ کے نقشے بھی نہایت خوبصورتی سے بنائے ہیں،

حیدرآباد میں علوم عربیہ کی ایک قدیم درسگاہ **مدرسۂ نظامیہ** ہے جس کو مولانا انوار اللہ خان صاحب نے آج سے چالیس پچاس برس پہلے قائم کیا تھا، آج کل اس کی نظارت مولانا عبد القدیر

صاحب بدایونی مفتی عدالت عالیہ کے ہاتھوں میں ہے، وزیر تعلیمات سرکار عالی نواب مہدی یار جنگ بہادر کی تحریک اور مفتی صاحب کی فرمائش سے میں نے اس مدرسہ کے اساتذۂ کرام اور طلبہ کے سامنے ڈیڑھ گھنٹہ تک علومِ اسلامیہ اور عربی نصابِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی اصلاح وتجدید پر تقریر کی، علما نے میرے مقصد سے اتفاق کیا اور تحریک کو پسند فرمایا، وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا

پونہ میں میری کشش کا مرکز میرے قدیم فاضل دوست پروفیسر شیخ عبد القادر کی ذات گرامی ہے، اتنے دنوں میں پونہ بھی بہت کچھ بدل چکا ہے، جب میں وہاں دکن کالج میں ۱۹۱۳ء؁ و ۱۹۱۴ء؁ میں اسسٹنٹ پروفیسر تھا، وہاں ایک اردو ہائی اسکول تھا، یعنی وہ اسکول جہاں لڑکوں کو انگریزی علوم کے ساتھ اردو کی تعلیم دی جاتی ہے، اب نئی تحریک میں یہ اردو ہائی اسکول، اردو ٹرینگ کالج ہوگیا ہے، اب اس کی خاص عمارت ہے، زمین ہے، مسجد ہے، مسلمان استادوں کا اسٹاف ہے، یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ اردو کی تعلیم پہلے سے زیادہ ترقی پا رہی ہے، اور مسلمان آب اردو کے لئے پہلے سے زیادہ کوشاں ہیں، اس کالج کے ہال مین ایک شام کی پارٹی کے بعد میں نے "مسلمانوں کے حقوق" کے تحفظ پر نہیں، بلکہ خود مسلمانوں کے تحفظ پہ تقریر کی، اور دکھایا کہ اسلام کے دشمن جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو کر رہے ہیں، مگر خود اسلام کے دوست اس کے ساتھ کیا کر رہے ہیں، اور "اسلامی کلچر" کو ہم خود اپنے ہاتھوں تباہ کر رہے ہیں، یا غیر تباہ کر رہے ہیں،

پونہ میں ہندؤں کے دو ادارے دیکھے، ایک بھنڈارکر انسٹی ٹیوٹ جس کا مقصد قدیم ہندوستان سے متعلق علوم وفنون وتاریخ کی تحقیقات ہے، اس کی اچھی خاصی عمارت ہے، کتبخانہ ہے، دفتر ہے، مہمانخانہ ہے، یہ مہمان خانہ سرکار آصفیہ کے تیس ہزار کے عطیہ سے بنا ہے، انگریزی گورنمنٹ

بھی اس کی سرپرستی کرتی ہے، دس بارہ برس سے یہاں مہابھارت کے مختلف نسخوں سے ایک صحیح نسخہ کی اشاعت کا کام ہو رہا ہے، بعض فارسی تاریخیں بھی اس کی طرف سے چھپی ہیں،

دوسرے ادارہ کا نام بھارت اتہاس سمشودھک منڈل ہے اس کا مقصد دکن اور مہاراشٹر اور خاص طور سے سیواجی اور پیشواؤں کے تاریخی مواد کو جمع کرنا ہے، اس ادارہ نے بڑی کوشش سے سلاطین دکن کے فرامین، تصویریں، مرقعے، سکے اور مرہٹہ سرداروں کی یادگاریں جمع کی ہیں، تاکہ دکن اور مہاراشٹر کی تاریخ لکھنے والوں کو ہر قسم کا سامانِ تحقیق ہاتھ آسکے، ایک مرہٹہ فاضل کو فارسی کے فرمانوں اور تحریروں کو پڑھتے دیکھ کر تعجب ہوا، تعجب اب ہے، ورنہ پہلے تو سارا فارسی دفتر انہی کے ہاتھوں [illegible]

بمبئی دس سال کے بعد جانا ہوا، اس عرصہ میں بمبئی بہت کچھ بدل چکی ہے، یہ عشرۂ محرم کا زمانہ [illegible] بمبئی کے مسلمان تعزیہ داری نہیں کرتے، یا بہت کم کرتے ہیں، ان کا دستور یہ ہے کہ محرم کے دس دن میں ہر محلہ کے مسلمان مل کر راتوں کو مجلس کرتے ہیں، سارے ہندوستان سے واعظ اور مقرر آتے ہیں اور ایک ایک محلہ میں دس راتیں محرم کے واقعات اور اس کے تعلق سے مواعظ بیان کرتے ہیں، گو یہ مجلسیں بھی اصلاح کے قابل ہیں، پھر بھی یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ اہلِ بدعت کے بجائے اہلسنت علما کا اثر بھی بمبئی میں اب پھیل رہا ہے،

بمبئی سے پندرہ میل دور دس برس سے اسماعیل کالج قائم ہے، اس کے پرنسپل ہمارے دوست ڈاکٹر عبد الرحمان صاحب ہیں، میں نے اس کالج کو آج سے دس برس پہلے اس وقت دیکھا تھا جب اس کا آغاز تھا، یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ کالج کے احاطہ میں اب ایک مسجد بھی بن گئی ہے جس میں مسلمان طلبہ پانچ وقت نماز پڑھتے ہیں، میں جمعہ کی نماز میں شریک ہوا، ایک طالب علم ہی نے خطبہ پڑھا

نماز کے بعد طلبہ کے اصرار پر میں نے ایک چھوٹی سی تقریر کی، جس میں ان کو یہ بتایا ہے کہ دنیا کی قوموں نے جب کبھی ترقی کی ہے تو اس کی قوت پرواز کے دو ہی پر ہوئے ہیں، ایمان اور عمل، جب تک ہمارے نوجوان ان دونوں سے بے پروا ہیں وہ ترقی کا خواب نہیں دیکھ سکتے، گویا آیۂ کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا (اے ایمان والو! ایمان لاؤ) کی تفسیر اور اقبال مرحوم کے اس شعر کی تشریح کی

یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم،

اسی کالج کے ہال میں دوسری تقریر اردو زبان کی تاریخ پر ہوئی، جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی اس میں تفصیل کے ساتھ اردو کی جائے پیدائش سندھ، پنجاب اور گجرات کا بیان ہوا، دکن اور گجرات میں شروع سے آج تک اس زبان کے لئے جو کچھ ہوا اس پر مختصر تبصرہ کیا گیا، اور بتایا گیا کہ یہ کالج احاطۂ بمبئی میں اردو کی خدمت کا کام کیونکر کر سکتا ہے،

احاطۂ بمبئی کی انجمن ترقی اردو کے سکریٹری ہمارے عزیز پروفیسر سید نجیب اشرف ندوی ہیں، عزیز موصوف پوری دلچسپی اور کوشش سے بمبئی اور مضافاتِ بمبئی میں اس زبان کے پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس وقت تک اطراف میں اردو کے (۱۲) اسکول چلا رہے ہیں، اور بالغوں کی تعلیم کے لئے مستعدی سے کام کر رہے ہیں، اس کے اثرات دور دور تک پھیل رہے ہیں، یہاں تک کہ گوا کے قریب ساونت باڑی میں اردو کا ایک خاص اسکول جس میں دینیات و اسلامیات کی تعلیم بھی ہوتی ہے، دو دردمند بھائیوں کی مخلصانہ محنت سے جن میں سے ایک انجینیر اور دوسرے ڈاکٹر ہیں، بڑی خوبی سے چل رہا ہے،

انجمن اسلام بمبئی میں انجمن ترقی اردو کی طرف سے ایک شاندار جلسہ ہوا، جس میں ... زبان کی وسعت اور عالمگیری پر ڈیڑھ گھنٹہ تک تقریر کی، اس تقریر کے بعض بعض حصے بمبئی کے اخبارون مین چھپ چکے ہیں، آپ یہ سنکر تعجب کرینگے کہ بمبئی مین جو مرہٹی، گجراتی اور کنڑی بولیوں کا مر... مقام ہے، اس وقت اردو کے چالیس اخبار اور رسالے نکلتے ہین، جن میں ۴ روزانہ اخبار ہیں،

حکیم مولوی حبیب احمد صاحب ندوی اور مولوی رئیس احمد صاحب جعفری ندوی نے اپنے روزنامہ ہندوستان کے دفتر میں دوستوں کو چاے پر مدعو کیا، چائے کے بعد مولوی رئیس احمد صاحب نے دار العلوم ندوہ کی موجودہ ضرورتون کی طرف متوجہ کیا، آخر میں میں نے عربی مدرسوں کی ... پر ایک مختصر تقریر کی،

افسوس ہو کہ پچھلے دو مہینوں میں ہماری قدیم تعلیم کے خزانہ کے دو انمول موتی کھو گئے، ایک مولانا فضل حق صاحب رامپوری جو مدرسہ عالیہ رامپور میں مدرس اعلیٰ تھے، موصوف نے نصف صدی تک علوم اسلامیہ کی تدریس کا فرض انجام دیا تھا، ۸۱ برس کی عمر مین دار فانی کو الوداع کہا، اور اب ... ۱۳۵۹ھ کی دوپہر کو مولانا معین الدین اجمیری نے جن کو سلسلۂ خیرآباد کا خاتم کہنا چاہیے وفات پائی، مرحوم مولانا برکات احمد صاحب ٹونکی کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور عمر بھر درس و تدریس میں گذاری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے احاطۂ مزار میں شاہجہانی مسجد کے زیر سایہ فضل و کمال کا یہ خزانہ زیر خاک کیا گیا، رحمہما اللہ تعالیٰ، میر احدی اجمیری نے خوب کہا،

ہو سنہ تیرہ سو انسٹھ، عشرۂ ماہ محرم ہو — ہمیں اس ابتدائی ماہ میں بے انتہا غم ہو

امام الوقت مولٰنا معین الدین کی رحلت ہے — بپا اجمیر مین امسال اُف دوہرا محرم ہو

مقالات

مولانا سید سلیمان ندوی

کا

پہلا کارنامہ

از مولینا سید مناظر احسن گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

(۳)

فلسفۂ اخلاق

مذاہب سے فارغ ہونے کے بعد واقعہ تو یہی تھا، کہ آئندہ اس سلسلہ مین کسی اور چیز کے ذکر کی ضرورت ہی نہ تھی، کہ مذہب ہی اپنے موضوع (انسان) کے مختلف پہلوؤن کے متعلق بحث و تحقیق کا دنیا مین اصلی ذمہ دار رہا ہی، اور رہے گا، جو انسان ہی سے بحث کرنا غیر ضروری سمجھتے ہین، ان کو "انسانی اخلاق" پر غور و فکر کرنے کا سچ تو یہ ہو کہ کوئی حق حاصل نہین، اور جیسا کہ سید صاحب نے ایک سے زائد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے، اور بلیغ اشارون مین تصریح فرمائی ہی، کہ

"آج زمین کے کرہ پر جہان کہین بھی حسن اخلاق کی کوئی کرن پائی جاتی ہی، وہ نبوت (مذہب) ہی کے کسی مطلع انوار سے چھن کر نکلی ہی"

دوسری جگہ اسی واقعہ کی تعبیر ان لفظون مین فرماتے ہین:-

"آج جہان کہین بھی حسن اخلاق کا کوئی نمونہ ہے، وہ ان ہی (مذہبی پیشواؤں) کے صحیفۂ تعلیم کا ایک ورق ہے"

لیکن دنیا آج ذہنی بغاوتوں یا دماغی اختلال کے جس دور سے گذر رہی ہے، جب تھانون مین خدا کے یاد کرنے کے جرم کی رپٹ لکھوائی جاتی ہو، اور تو اور، نماز اور روزہ بھی لوگون کی سمجھ مین اس وقت تک نہین آتا، (اگرچہ اسکے بعد بھی نہین آتا کہ سمجھنا مقصود ہی نہین ہو) جب تک روزہ کی فلاسفی، اور نماز کی فلاسفی نہ بیان کی جائے، کوٹ پتلون والے ہی نہین، بلکہ جبہ اور دستار والے بھی مضطر ہین، کہ جو کچھ کہین اسکی فلاسفی[۱] بھی ساتھ ساتھ بیان کرتے چلے جائین،

غریب سید کو بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے اندر "فلسفہ اخلاق" کے باب باندھنے پر مجبور ہونا پڑا،

واقعہ یہ ہی، جیسا کہ مین قرآن کے حوالہ سے تمہید مین ذکر کر چکا ہون، کہ خدا کو حافظون سے نکالنے والے قدرت کی طرف سے اس پر مضطر و مجبور کئے جاتے ہین، کہ اسی کیساتھ خود اپنے کو بھی اپنے حافظون سے نکال کر باہر کر دین، اسی لئے ٹھیک جس وقت اپنے دماغون مین یہ ساری دنیا کی ضروری اور غیر ضروری چیزون کو بھرتے چلے جاتے ہین، عین اسی وقت خود اپنی یاد ان کے دلون سے محو ہو جاتی ہی، مین نے عرض کیا تھا کہ اسی وجہ سے ان مغضوب دماغون مین دنیا کے سارے علوم کی تحصیل کی انتہائی تشنگی کے باوجود جس علم سے بے گانگی، بلکہ قریب قریب نفرت اور چڑھ سی پیدا ہو جاتی ہی، وہ وہی علم ہوتا ہے، جو بجائے دوسرون کے خود ان ہی کے بناؤ، اور بگاڑ سے بحث کرتا ہی، اور مشاہدہ سے اسکی تصدیق ہو رہی ہے،

---

[۱] اس موقع پر حکیم الامت مدظلہ العالی کے ایک لطیفہ کا ذکر کئے بغیر آگے بڑھا نہین جاتا، کہ آپ نے اسی فلاسفی کے عارضہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا، کہ اپنے مدرسون مین ہم نے فلسفہ اور فلاسفہ کا ذکر تو سنا تھا، لیکن فلاسفہ کی مادہ یہ فلاسفی بجائیو کیا بلا ہے، مین تو اس سے سراسر ناواقف ہون کہ ان نرون کی کچھ مادائین بھی تھین ۱۲۰

لیکن کچھ تو اسلئے کہ انسانی وجود کی وہ پیچیدگیان جن کے سلجھنون کا دباؤ، "آج" نہین بلکہ "کل" محسوس ہوگا، ان کی طرف تو ان کا دھیان کبھی نہین جاتا، یا اسکو جانے نہین دیا جاتا، مگر اخلاقی الجھنون کے نتائج کا اثر چونکہ بجائے "کل" کے "آج" ہی ان کی زندگی کے لطف و انبساط مین تلخی اور ان کے رنگ مین بھنگ ڈال کر اس غافلانہ "مگن" مین خلل پیدا کرنا شروع کر دیتا ہی، جو انجام و عاقبت سے تغافل وجہل برتنے کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے دیکھا جاتا ہی کبھی کبھی کہین کہین دیکھا جاتا ہی، کہ ان کے حلقون مین بھی "انسانی فطرت" کے اور پہلوؤن کا تو نہین لیکن "اخلاقی پہلو" کا بھی خواہ کتنی ہی طفیلی حیثیت مین ہو، تھوڑا بہت تذکرہ جائز قرار دیا گیا ہی،

نظری معلمین اخلاق کی بے عملی

اور کچھ دخل اس جواز ذکر مین اس کو بھی ہے، بلکہ شاید اس کو زیادہ ہی دخل ہو، کہ ان مشتقی تختون مین ایک دلچسپ تختہ کا اضافہ ہوتا ہے، جنھین اپنی ذہنی عیاشیون کے لئے ان کی عقل کائنات کے گوشہ گوشہ مین تلاش کرتی پھرتی ہے، یہی وجہ ہے کہ "اخلاقیات" کے متعلق ان کے جو مباحث ہین، نظری طور پر ان کی کچھ بھی اہمیت ہو، اور خوبصورت لفافون مین یہ اپنی بے مغز باتون کو ملفوف کر کے بظاہر ان کی نظر فریبی، اور دل آویزی کی وجہ سے کم مایہ نظرون کو مرعوب بھی کر لین، لیکن عملی حیثیت سے ان ذہنی عیاشیون کی بے ثمری اور بانجھ پن کا یہ حال ہے کہ سید صاحب جیسے متین اور محتاط آدمی کے قلم سے یہ فقرہ مجبوراً نکل پڑا کہ

"اس حیثیت سے اگر فلسفہ اخلاق کے حکما کو دیکھا جائے تو عمل کے لحاظ سے ان کی زندگی ایک معمولی بازاری سے ایک انچ بلند نہ ہوگی"،

کیا ہی؟ کیون ہے؟ وہ کے رجمی تیر، جس طرح ان کی دماغی کمانون سے نکل نکل کر کہکشان کے تارون تک اور مریخ کے آباد کارون تک پر برستے رہتے ہین، اسی سلسلہ مین انسانی اخلاق کو کیا ہونا چاہیے؟ یہ نہین بلکہ وہ کیا ہے؟ کے ایک دو تیر ادھر بھی بھٹک کر آجاتے ہین، جس کی تعبیر سید صاحب کے الفاظ مین

مذہبی تعلیمات کے مقابلہ مین فلسفہ کے نقطہ نظر کی تعبیر یہ ہے، کہ

"اسلام کو اس سے بحث نہین کہ اخلاق کی غرض وغایت کیا ہوتی ہو، بلکہ یہ ہے، کہ

کیا ہونی چاہئے"۔

ظاہر ہے کہ جو آدمی کے اعمال واخلاق کو اسی نظر سے دیکھے گا، جس نظر سے وہ بندرون کے

عادات، اور جانورون کے خصائل وحرکات کا جائزہ لیتا ہے، تو بقول سید صاحب اگر ایسا آدمی

یہ ہو جائے، کہ

"سچائی اور راستبازی پر بہترین خطبہ دیکتا ہے، مگر خود سچا اور راستباز نہین ہوتا

وہ رحم ومحبت کے طلسمات کے ایک ایک راز سے واقف ہے، مگر غریبون پر رحم کھانا، اور

دشمنون سے محبت کرنا وہ نہین جانتا"

پھر ایسون کی آواز اگر

کسی کے لوحِ دل پر کوئی نقش نہین بناتی، بلکہ ہوا کے تموج مین مل کر بے نشان

ہو جاتی ہے"

تو آخر اس کے سوا اور ہو سکتا بھی کیا تھا،

لیکن یہ جھوٹی، اور بے نتیجہ وبے حاصل "خود بینی" سچ یہ ہے کہ اس "واقعی خود فراموشی" سے

ہزار گونہ بد تر ہے، یہ بالکل نہین سوچتے تو امید ہو سکتی تھی، کہ شاید چونکانے سے کبھی ان مین اپنی اس

عجیب وغریب دماغی کیفیت کہ سب کچھ کو یاد کرتے ہوئے خود اپنے کو بھول گئے، اس پر کبھی تنبیہ ہوتی

لیکن یہ "غلط یاد" بھی یاد کا دروازہ بھی ان پر بند کر دیتی ہے، سمجھتے ہین کہ سوچ رہا ہون، حالانکہ نہین

سوچ رہے ہین، باور کرتے ہین کہ اپنے کو سمجھ رہا ہون، حالانکہ کچھ نہین سمجھتے، بھوکا اگر بھوکا رہے،

تو امید ہو سکتی ہے کہ جب کبھی، روٹی مل جائیگی، کھائے گا، لیکن اس کا ماتم کس سے کیجئے، جو کیچڑ نگل کر اپنی بھوک

بھی مٹا چکا ہو، اور کھانے کی جو غرض ہے، وہ بھی اس بیچارے کے گھلنے والے جسم پر مرتب نہ ہوگی

ان مین کتنے ہین، جو فلسفہ کے اسی حصّہ کو اگرچہ وہ بھی بصد جبر واکراہ یعنی اس مسرت وحوصلہ

کے ساتھ نہین، جو دوسرے علوم کے متعلق ان کے دلون مین ہے، مذہب کی قائم مقامی عطا کرتے

ہین، لیکن جگنو کی چنگاریون سے بندرون کا آلاؤ کب روشن ہوا ہے، سو جن کو نرے سمجھنے والا آخر

مین نتائج ہی کے ذریعہ سے نصیحت حاصل کرتا ہو اور یہی ان کو کرنا پڑے گا،

میری گفتگو طویل ہوتی چلی جارہی ہے، لوگ گھبرا بھی جائین گے، اور بہتون پر تو میری یہ گفتگو

گران گذر رہی ہوگی، اسی گرانی کے لئے تو "حدی خوانی" مین ذرا شدت اختیار کرنی پڑی،

بہرحال سید صاحب نے "فلسفۂ اخلاق" کے عنوان سے چاہا ہے، کہ آخر جو کچھ یہ بھی کہتے ہین"

کیون نہ سُن لیا جائے، اور جو اسی راہ سے سننا چاہتے ہین، انھین کیون نہ سنا لیا جائے،

معیار اخلاق کے مختلف نظریے لیکن ابھی آگے نہین بلکہ پہلا ہی سوال اٹھایا گیا، یعنی قبل کسی بحث کے پہلے قدرۃً یہ

طے ہو لینا چاہئے، کہ اخلاق کی بھلائی، اور برائی، حسن وقبح، خوبی وزشتی کا آخر معیار کیا ہے،؟

مذہب والے تو آسانی سے یہ کہہ کر اکھاڑے سے نکل جاتے ہین، اور ان کو یہی کہتے ہوئے

نکل جانے کا حق بھی ہو کہ خدا کی مرضی کے جو مطابق ہون، وہ اچھے، اور جو مخالف ہون، وہ برے

اخلاق ہین، لیکن خدا سے ہٹ کر جن لوگون نے اس سوال کو اٹھایا، قابلِ دید ہے، وہ پیچ وتاب

تگ ودو، جو مختلف ٹولیون مین مختلف اسباب کے تحت اس کے جواب مین برپا ہوئی، اور اب تک

بھاگ دوڑ کا وہی سلسلہ جاری ہو، گویا،

حمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ کی مجسّم تصویر سامنے متحرک نظر آتی ہے، جتنے منہ ہین اتنی ہی

باتین ہین، مثلاً اچھے اخلاق وہ ہین،

ا۔ جن سے خوشی ہوتی ہے،

یا اشتمالیت، یا کوئی اسی قبیلہ کی اسی جیسی "یت" پیش کرتے ہین، ان کے سامنے اسلئے سر جھکا دیا جائے کہ انسان کی عقل، یا انسان کے فطری جذبات کے یہ مطابق ہین، یہ اگر انسان کی عقلی کاوشون کا افشرہ ہے تو کیا وہ جنون اور بھوتون کے دماغ کا نتیجہ ہے، فکر و تامل سوچ سمجھ کے جو آلات پہلون کے پاس ہین، وہی اور قطعاً وہی دوسرون کے پاس ہین، پہلون کے سینون مین دل ہے، تو جھوٹ کیون بولتے ہو، جب کہتے ہو، کہ دوسرون کے سینون مین پتھر ہین، انسانی ہمدردی کے اگر تم مین جذبات ہین، تو کس دلیل سے تم اپنے ہی جیسے انسانون کے قلوب کو ان سے خالی ہونے کے مدعی ہو، اور یہی وجہ ہے کہ آخری نتیجہ ان کی تقریرون کا تھراتے ہوئے لب، پھولی ہوئی گردنین، اڑتے ہوئے کفون کے سوا کبھی کچھ نہین دیکھا گیا، تحریرون مین گڑھے ہوئے قصے، تراشے ہوئے افسانے، باقیدہ تخیلات، یکرخے فرضی بیانات کے سوا کوئی ایسی چیز جو دوسرا نہ کہہ سکتا ہو، یا اس کے کہنے کا اسے حق نہ ہو کچھ نہین ہوتا،

لیکن پھر بھی کیا کیجئے کہ ابلہ کہتے جاتے ہین، اور کہتے جائین گے، اور دیوانے باور کرتے جاتے ہین، اور کرتے جائین گے، اور جب تک ان کا دماغ خدا کی روشنی سے محروم رہے گا، اسی خدا کی قسم ہے، کہ اندھیرے مین یون ہی ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے تباہی کے غارون مین گرتے چلے جائین گے، اور خدا کی بندگی، اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے جھکنے سے اکڑنے والون کو یون ہی اپنے ہی جیسے انسانون کی بنائی ہوئی زنجیرون مین جکڑنا پڑتا ہے، خدا کی عبدیت اور بندگی سے انکار کرنے والو! تمھین انسانون کی اپنے ہی جیسے انسانون کی غلامی مبارک ہو، ایک شخص کو چند شخصون کی صورت مین، یا جاہل عورتون کی قبائلی پنچایتون کی تعبیر پارلیمنٹ واسمبلی وغیرہ مغالطی الفاظ مین بدل دینے سے انسان سے انسان کی غلامی کی لعنت دھل نہین سکتی، شخص اگر آدمی ہے تو چند اشخاص فرشتے نہین ہو جاتے ہین، اور چند کے مقابلہ مین چند تو قطعاً ہم وزن اور ہر حیثیت سے مساوی ہین،

۲۔ جن سے فائدہ حاصل ہوتا ہے،

۳۔ جن کے متعلق ضمیر حکم دے،

۴۔ جن کے کرنے پر وجدان آمادہ کرے،

۵۔ جنھین آدمی کا "اخلاقی حاسہ" اچھا خیال کرے،

کم از کم بالفعل تو اس شور و غل سے یہ پانچ جوابات جن کو پیش کئے جاتے ہین، یہ تو "اچھے اخلاق" ہوئے، اب انہی سے برے اخلاق کی تعریف بھی نکل آتی ہے، چونکہ ان سے دکھ اور غم پیدا ہوتا ہے، چونکہ ان سے نقصان پہونچتا ہے، چونکہ "ضمیر" ان کے کرنے کا حکم نہین دیتا، چونکہ "وجدان" ان کے کرنے پر اندر سے "ڈانٹتا" ہے، چونکہ "اخلاقی حاسہ" اس مین برائی محسوس کرتا ہے، یہ ہے جواب اس بات کا کہ کسی خصلت و عادت فعل و عمل کو برا کیون سمجھا جاتا ہے، "چونکون" کی ہنگامہ آرائیون کا تو یہ اجمالی تماشا ہے، پھر ہر "چونکہ" کے ساتھ "مسلسل جزئی چونکون" کا جو لامحدود سلسلہ بندھا ہوا ہے، اور اس سلسلہ کی ہر کڑی کی روح کے ساتھ فرشتے تو ان کو نہین کہا جاسکتا، لیکن ..... کی ٹولیان لٹکی ہوئی ہین،

انکے نقائص پر تبصرہ یہ ہنجار ہر اس راہ مین پہلے سوال کا، ہر چونکہ چونکہ آدمی ہی کے منہ کی آواز ہے، اس لئے اسی جیسا دوسرا آدمی پوچھ سکتا ہے، اور اسکو یہ کہنے کا حق ہے کہ مین بجائے دوسرے کے خود بنا "چونکہ" الگ کیون نہ پیش کرون، جو کچھ اس کے پاس ہے وہی میرے پاس ہے، پھر ایک انسان ہی کو کیا حق ہے، کہ وہ دوسرے انسان کے خیالات کی غلامی پر اس کو مجبور کرے، اور یہی غلامی کا وہ عار ہے، اور بجا عار ہے، جو کسی طرح اس جھگڑے کو ختم ہونے نہین دیتا، ایک آدمی یا آدمی ہی کے ایک جتھے نے جمہوریت کا نظام پیش کیا، پھر کیون ملامت کی جائے اس شخص پر، یا اس گروہ پر، جو اس کے مقابلے مین نازیت، یا فسطائیت پیش کرتا ہے، کوئی وجہ نہین کہ سرمایہ داری کا نظام اس لئے غلط ٹھہرایا جاتا ہے، کہ وہ چند انسانی دماغون کا بچھارہ ہے، تو جو اس کے مقابلہ مین اشتراکیت

پھر ایک گروہ دوسرے گروہ کی رائے کو کس بنیاد پر کاٹ سکتا ہے"، بساط ہوائے دل"

کے تازہ واردو! ان پچھلے برگزیدون نے جن سے زیادہ راستباز اور تمھارا خیر اندیش تم خود بھی جانتے ہو کہ تم مین کوئی نہین گذرا (صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ) یقیناً اونھون نے تم پر ظلم نہین کیا، تھا جب انھون نے انسانون اور انسانی وسوسون کے جالون سے چھڑا کر خدا اور خدا کے لامحدود علم کی روشنی مین تمھین آزادی بخشی تھی، لیکن جہان تاریکی تھی، تمھاری غلط بین نگاہون نے وہین روشنی دیکھی، اور جہان نورصرف نور کا دریا بہتا تھا، اندھون، دل کے اندھون کو وہین اندھیرا محسوس ہوا، سچ ہے،

مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ نُوْرًا فَمَالَهٗ مِنْ نُوْ — اللہ نے جس کے لئے روشنی نہین بنائی،

(القرآن الحکیم) — پھر اس کے لئے روشنی نہین ہی،

بہر حال سید صاحب نے ان کے ان ہی بھانت بھانت کے جوابون کو نقل فرمایا ہے، اور جو سنتے تھے، وہ سید صاحب کی بدولت آنکھون کے سامنے آگیا، آپ نے ایک مفصل تقریر فرمائی جس کا حاصل یہی ہی کہ یہان بھی ان مسکینون کو وہی مغالطہ پیش آیا، جو ہاتھی کے متعلق اندھے رپورٹ کرنے والون کو پیش آیا تھا، کسی نے سوپ، کسی نے کوڑا، کسی نے چھت، کسی نے ستون، اور کسی نے ہاتھی کو موٹی گاجر کا ہم مثل قرار دیا تھا، حالانکہ واقع مین ہاتھی یہ سب کچھ تھا، یا ان سب جیسا تھا،

انسانی معیار اخلاق کا اختلاف

سید صاحب کا مقصد مبارک یہ ہی کہ خدا کی رضا و عدم رضا کے مذہبی معیار سے ہٹ کر اس سوال کے جواب مین اختلافات کا جو طوفان فلسفہ مین اٹھایا گیا ہے، اور ایسا طوفان کہ ایک ایک مکتب خیال کی تائید و تشریح مین لائبریریان کی لائبریریان تیار ہو گئی ہین، نیچریتے، افادیتے، وجدانیے، رواقیے، لذتیے، طربیے، عقلیے وغیرہ وغیرہ مختلف نامون کے جو گروہ در گروہ بن گئے ہین، اور لاحاصل ذہنی موشگافیون، کوہ کنیون، کے ہاتھون ان گروہون مین ادنی ادنی فرق کی وجہ سے بے شمار فرقے اور پارٹیان بن گئی ہین، بنتی چلی جاتی

ہر ایک اپنا ایک مستقل دنگل بنا کر دوسرون کے سامنے خم ٹھوک رہا ہی، زیادہ نہین بلکہ معمولی نگر و تامل سے یہ معلوم ہو جاتا ہی، کہ ایک چیز جس مین مختلف موثرات کو دخل تھا، اس کے کسی ایک ہی پہلو کو پوری قوت کیساتھ دبا کر بلا وجہ یہ زور آزمائیون مین مصروف ہین،

ورنہ واقعہ یہ ہی کہ مذہب خدا کے متعلق جو کچھ اس باب مین کہتا ہے، وہ صرف اس قدر ہے کہ اچھے اور بُرے اخلاق و اعمال کا صحیح علم ایسا علم جس مین پھر شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہ رہے، تو خدا کی تعلیم ہی سے حاصل ہوتا ہے، لیکن خدا بھی جو کسی فعل یا عمل یا خصلت و حرکت کو اچھا یا بُرا کہتا ہی، تو اسکی یہی وجہ ہوتی ہے، کہ حسن و قبح[1]، بُرائی اور بھلائی کے جن معیارون مین سے تم صرف ایک ہی پر زور دیتے ہو، یہ ہو سکتا ہی، بلکہ یہی ہوتا ہے کہ اس مین ان کل موثرات کو یا ان مین سے بعض کو دخل ہوتا ہی، سید صاحب نے اسکو ایک مثال سے سمجھانا چاہا ہے، :-

"فرض کیجئے کہ ایک مظلوم کی امداد خدا کا حکم بھی ہے، اور ہماری فطرت مین ودیعت بھی ہے ہمارے ضمیر کا تقاضا بھی یہی ہے، اور وجدان بھی اسی طرح اس کام کو اچھا کہتا ہے، جس طرح وہ ایک خوبصورت چیز کو خوبصورت یقین کرنے پر مجبور ہے، ساتھ ہی اس مین فائدے اور مصلحتین بھی ہین، اور ہم کو اس سے مسرت بھی ہوتی ہے"،

پھر جب اعمال و اخلاق کی برائی بھلائی کے محرکات و موثرات سب ہی ہین، اور کوئی شبہہ نہین ہر شخص کا مشاہدہ اور تجربہ شاہد ہے، کہ سید صاحب نے جو کچھ لکھا ہی یہی واقعہ ہے، تو پھر ان مین سے کسی

[1] احکام مین حسن و قبح عقلی ہے، یا شرعی، اس کی مدرسی بحث پیش نظر نہین، لیکن بہر حال اشعریون کا کچھ بھی خیال ہو ماتریدیون، حنفیون کا تو یہی عقیدہ ہے، کاش اس بحث مین سید صاحب کا قلم کچھ اور احتیاط برتتا تو خواہ مخواہ آپ کے بعض الفاظ مثلاً ص۲۰ مین اخلاق کا ماخذ خدا کا حکم ہونے کے ساتھ اس کے تائیدی ماخذ سے معتزلہ کی تائید نہ ہوتی، لیکن غرض جب صحیح ہے تو الفاظ مین الجھنا بے معنی ہی، ۱۲

ایک ہی معیار پر ہٹ دھرمی کے ساتھ بیجا اصرار کرنے والون کی مثال ان ہی اندھون کی نہین ہوئی ہے جن مین ہر ایک ہاتھی کو صرف وہی قرار دینا چاہتا تھا، جس حصہ پر اتفاق سے اسکا ہاتھ پڑ گیا تھا، اس کے بعد سید صاحب نے یہ ارقام فرما کر کہ

"اخلاق کی خوبی ان کے علم و فلسفہ مین نہین بلکہ عمل مین ہے"

اور اسی لئے اس قسم کی لاطائل فیل شناسیون مین مذہب انسانی دل و دماغ کو الجھا کر وقت کو ضائع کرنا نہین چاہتا، مگر اسی کے ساتھ دنیا کے آخری معلم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت بیضا "روشن دین" نے "عمل بلا علم کو بھی اس نے پسندیدہ نہین قرار دیا ہے، اس بنا پر اس نے ان اصولون کی طرف اشارے تو کئے ہین، مگر اخلاق کے باب مین ان کی عالمانہ تحقیق و تلاش کو کوئی اہمیت نہین دی۔

اسلام کا فلسفہ اخلاق

ان ہی اشارون کی نشاندہی مین سید صاحب کی نکتہ رس دقیقہ سنج طبیعت نے جو کام کیا ہے، کم از کم میرے لئے بالکل نئی چیز تھی، وہی قرآن کی آیتین، اور وہی مشہور حدیثین، جو مولویون کے سامنے روزمرہ گذرتی رہتی ہین، ان مین سید صاحب نے "فلسفہ اخلاق" کی ان بنیادون کا اتنی صفائی سے سُراغ لگایا ہے کہ تحسین پر دل بے ساختہ مضطر ہوگیا، حیرت ہوتی ہے کہ اتنی کھلی باتون کی طرف دماغ اب تک کیون متوجہ نہ ہوا تھا، بہرحال قرآنی آیات

۱- فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، — ہر نفس مین اسکی بدی اور نیکی الہام کر دی،

۲- لَا أُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ — قسم کھاتا ہون اس نفس کی جو انسان کو اسکی برائیون پر ملامت کرتا ہے،

۳- بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ — آدمی اپنے آپ کا دانا و بینا ہے،

اور احادیث

۱- استفت قلبك واستفت نفسك، البر ما اطمان اليه النفس والاثم ما حاك في القلب و تردد في النفس، (مسند احمد) — اپنے دل سے فتویٰ لو، اپنے جی سے پوچھو، نیکی وہی چیز ہے جس پر جی ٹھکانے پر لگے، گناہ اور پاپ وہ ہے، جس سے دل مین کھٹک پیدا ہو، اور پلٹ پلٹ کر تمہارے اندر آئے،

۲- هُوَ واعظ الله في قلب كل مومن، (ترمذی) — وہ اللہ کا واعظ ہے، ہر مومن کے دل مین

مین ظاہر ہے کہ "ضمیریون" کے بنیادون کی کتنی اچھی تصریح موجود ہے، پھر کانشنس کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ مسلسل بدکرداریون کی چوٹ سے وہ بے حس ہونا شروع ہوتا ہے، تا اینکہ بالآخر بالکل بے حس ہو کر گونگا، بہرا بن جاتا ہے، اُن آیتون سے جن مین دل پر ختم، رین (زنگ) طبع (مہر) وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور مشہور حدیث کہ "گناہ کے بعد آدمی کے دل پر نکتہ سوداء (داغ) نمایان ہوتا ہے، یون ہی مسلسل گناہون کے اثر سے یہ داغ بڑھتا چلا جاتا ہے، حتی کہ آخر مین کالکوز مجخیا (اوندھے پیالے) کے مانند دل ہوجاتا ہے، اب اسکی سمجھ مین نہ نیکی کی نیکی آتی ہے، اور نہ برائی کی بُرائی،

سید صاحب نے ان سب مین ضمیر کی بے حسی کا اگر سراغ دیا ہے تو گویا ان کی عبارۃ النص کا یہی اقتضا نہین ہے، یہ تو ضمیریون اور رواقیون کے مسلک کی نشاندہی تھی،

اسی طرح "لذتیون" اور "طربیون" کو مخاطب فرما کر سید صاحب نے سمجھایا ہے، کہ یہ کہنا کہ آدمی جو نیکی بھی کرتا ہے، لذت اور مسرت ہی حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے، بالکلیہ تو تمہاری بات صحیح نہین ہے لیکن اتنا تو اسلامی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نیکی کے کامون سے آدمی کے دل مین انشراح اور خوشی ہوتی ہے، اور بدی سے انقباض اور گھٹن محسوس کرکے دل کڑھتا ہے،

قرآن کی آیت :-

حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَہٗ — اللہ نے ایمان کو تمھارا محبوب بنادیا، اور
فِیْ قُلُوْبِکُمْ، وَکَرَّہَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ — اسکو تمھارے دلون مین اچھا کرکے دکھایا
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ، — اور کفر و گناہ و نافرمانی سے گھن لگادی،

یاحدیث

اذا سرتک حسنتک وساتک — جب تجھے نیکی خوش اور برائی غم زدہ کرے
سیئتک فانت مومن، — تو تو مومن ہے،

کس قدر ان نصوص مین وہ پہلو نمایان ہے، جس کی طرف سید صاحب نے اشارہ فرمایا ہی،

اخلاق کا تعلق نیت اور نصب العین سے

اس بحث کے بعد اب سید صاحب کے سامنے اسی سوال کا دوسرا پہلو آیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اعمال و اخلاق کی بھلائی اور برائی کے اسباب خواہ کچھ ہی ہون لیکن یہ جو دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص عمر بھر کماتا رہتا ہے، اس جد و جہد مین دن کو رات اور رات کو دن کرتا ہے، لیکن ان تمام کوششون سے اس کا مقصد مثلاً صرف اپنی شکم پروری اور محض اپنے کو آرام و عیش سے رکھنا ہے، لیکن اسی کے مقابلہ مین دوسرا شخص اپنی جد و جہد کا مقصد اپنی ذات سے زیادہ اپنے ماں باپ، بیوی، بچون، بھائیون، بہنون، اعزہ و اقربا، کی خدمت قرار دئے ہوئے ہے، تیسرا ان سے بھی آگے بڑھکر اپنی عمر اور توانائی کے سارے سرمایہ کو ملک و قوم کی خدمت مین نثار کر رہا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ جد و جہد مین ظاہر ہے، کہ دونون مساوی ہین، عمر بھر تگ و دو، دوا دوش مین ان مین سے ہر ایک کی بسر ہوئی ہے، چوبیس گھنٹے فرض کیجئے، دونون ہی کی محنت کے ہین، مگر با این ہمہ عام انسانی فطرت، عزت کی جس نظر سے تیسرے کو اور پہلے کی نسبت سے دوسرے کو دیکھتی ہے، اس کا راز کیا ہے، ؟ کیونکہ اس کے حل پر بجائے "کیا ہے" کے آدمی کے اخلاق کو "کیا" اور "کیسا" ہونا چاہئے ؟ کا جواب موقوف ہی عمل کی حالانکہ ظاہری صورت واحد ہے، مگر قیمت مین ہر ایک کے آسمان و زمین کا کیون

فرق ہی یتیم کو ایک شخص تھپڑ مارتا ہی مگر لاوارث بیکس سمجھکر اس خیال سے مارتا ہی کہ وہ اس کس مپرس بن باپ بچہ سو بہتر ہی، اس ہیر کو اسکا حق ہی کہ ایسے لاوارث کو ستا کر اپنے دل کو خوش کرے لیکن بجنسہ اسی طاقت سے اسی یتیم کو اس کا استاد بھی اسلئے تھپڑ ہی مارتا ہی تاکہ وہ آوارہ گردی سے باز آئے، پڑھنے مین دل لگائے، وہ یہ خیال کرتا ہی کہ مین بھی اس غریب بچہ کی اگر خبر نہ لون گا، تربیت نہ کرون گا، تو اسی کس مپرسی کی حالت مین یہ برباد ہوجائے گا، سوال ہوتا ہے، کہ مارنے کی شکل و صورت، قوت درجہ سب برابر ہین، لیکن استاذ کے اس شریفانہ فعل کو اس متکبر کمینہ انسان کے فعل سے کوئی نسبت ہی ؟ کس چیز نے ان دونون کی قیمتون مین تفاوت اور اتنا عظیم تفاوت پیدا کر دیا مین نے پہلے بھی سید صاحب ہی کے حوالہ سے نقل کیا ہی اچھے عمل کو کیا اور کیسا ہونا چاہئے ، ؟ سے زیادہ فلسفہ اخلاق مین کیا ہے، ؟ کیون ہے ؟ پر زور دیا جاتا ہے، اور مذہب کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، کہ اسکے پاس کیا ہے، کیون ہے سے زیادہ اخلاقی مباحث مین کیا ہونا چاہئے، پر خصوصی توجہ مبذول کی جاتی ہے، لیکن جس طرح ذیلی طور پر مذہب خصوصاً اسلام مین کیا ہے ؟ کے جوابات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ذکر ہوچکا اسی طرح فلسفہ والون مین بھی بعضون نے "کیا ہے" اور "کیسا ہونا چاہئے" کے جواب مین غور کرنے کی کوشش کی ہے، اگرچہ بے کار کوشش کی ہے، جب عمل پر اس کا کوئی اثر مرتب نہین ہوتا، نہ خود ان پر نہ دوسرون پر،

لیکن بہرحال یہ کتنی عجیب بات ہے، کہ انتہائی مغز پاشیون، اور آخری جانکاہیون کے ساتھ ردّ و قدح بحث و جدال، جواب و سوال کی منزلون کو صدیون، بلکہ ہزاریون مین طے کرنے کے بعد اس سوال کے جواب مین بالآخر دور کی جس کوڑی تک رسائی حاصل کرنے مین فلسفہ کامیاب ہوا ہے، وہ وہی بات ہی جس پر صحیح بخاری کے طالب العلم کی پہلی نظر پڑتی ہے یعنی جو بات بخاری شریف کی پہلی حدیث مین مذکور ہے،

سید صاحب فرماتے ہین کہ عمل و اخلاق کی بلندی و پستی کا تعلق خود ان کی صورت کے ساتھ

نہین ہے، بلکہ جس نصب العین کو پیش نظر رکھ کر وہ عمل کیا گیا ہے، جو عمل کے پیچھے چھپا رہتا ہے، سارا معاملہ اسی کے دامن کے ساتھ بندھا ہوا ہے، ظاہر ہے کہ یہی وہ بات ہے، جو بخاری شریف کی سب سے پہلی مشہور حدیث

انما الاعمال بالنیات ولکل امرء مانوی، — عمل نیتون کے ساتھ بندھے رہتے ہین، ہر شخص کو وہی ملتا ہے جو اس نے نیت کی،

کا مفاد ہے، بحمد اللہ اخلاقی قیمت کے اس نکتہ سے حلقہ بگوشان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محرمان اسرار ہی نہین، بلکہ ادنی ترین افراد بھی واقف ہین، لیکن سنئے سید صاحب میکنزی کی کتاب سے کیا احوال نقل فرماتے ہین، وہ کہتا ہے،

"کینٹ نے اپنی اخلاقیات کی کتاب کو جس مشہور و معروف دعوی کیساتھ شروع کیا ہے اسکی ہم کو تصدیق کرنی پڑتی ہے"

کینٹ جو خود فکر حکماے اخلاق مین خاتم الحکما کے منصب کا مستحق ہے، اس کا مشہور و معروف دعوی کیا ہے، ؟

"بجز اچھے ارادہ (نیت) کے دنیا بھر مین بلکہ دنیا کے باہر بھی، کوئی ایسی شے نہیں ہے، جسکو علی الاطلاق بلا کسی قید و شرط کے اچھا کہا جا سکے"[1]

عمل کا مقصد رضاے الٰہی ہونا چاہئے،

عمل کا یہی وہ راز ہے جس کی بنیاد پر اسلام کا یہ اساسی اصول ہے، کہ جو خدا کے لئے عمل کرتا ہے اسی کو خدا سے اجر کی توقع کرنی چاہئے، لیکن بجاے خدا کے جو اپنی ذات کے لئے، اپنے خاندان کے لئے، اپنی قوم کے لئے، اپنے وطن کے لئے، اپنے ابناے جنس کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے نیکی کرتا ہے، اس مین شک نہین کہ شخصی خود غرضی سے جس حد تک

[1] علم اخلاق کتاب اول باب ششم ترجمہ پروفیسر عبد الباری ندوی شائع کردہ جامعہ عثمانیہ ۱۲

وہ دور ہوتا چلا جائے گا، اسکے عمل کی قیمت بھی، اسی نسبت سے بڑھتی چلی جائے گی،

لیکن با این ہمہ جس نے خدا کے لئے نیکی نہین کی ہے، ظاہر ہے کہ اسکی نیکی خدا کیلئے کیسے ہو سکتی ہے، جب اس کے اس عمل کا نصب العین خدا نہین ہے، تو خدا کے اجر سے اگر وہ محروم ٹھہرایا جاتا ہے، تو آخر نصب العین کے اتنے واضح اور بدیہی قانون کے رو سے اور تصور ہی کیا کیا جا سکتا ہے،

خدا کی رضامندی کی تشریح

بلکہ اگر کوئی نیکی یہ سمجھ کر بھی کرتا ہے، کہ خدا بھی اس سے یہی چاہتا ہے، لیکن خدا کی مرضی کا علم حاصل کئے بغیر اپنے دل کی خواہش اور مرضی کو خدا کی مرضی ٹھہرا کر اسکی پابندی کر رہا ہے تو وہ بھی خدا کی نہین، بلکہ اپنی مرضی کی پابندی کر رہا ہے، آخر جب خدا کی مرضی کا اسے علم ہی نہین ہوا تو کس بنیاد پر اپنے کسی فعل کو خدا کی مرضی قرار دیتا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ بھی باندھ رہا ہے کہ خدا کی مرضی کو نہین بلکہ اپنے دل کی مرضی کو خدا کی مرضی ٹھہرا رہا ہے،

ورنہ واقعہ یہ ہے کہ خدا ہی نہین، کسی کی بھی مرضی ہو، اس کے جاننے کی دو ہی راہین ہو سکتی ہین، یا مرضی والا خود اس پر اپنی مرضی کا اظہار کرے، یا جن پر اس نے اپنی مرضی ظاہر کی ہے، ان لوگون سے اس کا علم حاصل کیا جائے،

لیکن ایسا شخص جس نے نہ براہ راست خود خدا سے اسکی مرضی کا علم حاصل کیا ہو اور ان لوگون کا بھی انکار کرتا ہو، جن پر خدا نے اپنی مرضی کھولی تھی، خواہ اس طرح انکار کرتا ہو، کہ ان کی کل باتون کو جھٹلاتا ہے، یا ان کی ایسی باتین جنھین اس کا دل چاہتا ہے، اسکی عقل مانتی ہے، صرف ان ہی کو مان کر ان کی اور باتون کو قابل توجہ نہین سمجھتا، تو یقیناً وہ خدا کے ان "علم یافتون" اور اسکی مرضی کے اعلان کرنے والون پر نہین، بلکہ خود اپنے اوپر اپنی عقل پر، اپنے دل پر، اپنی خواہش پر اعتماد کرتا، اور ان ہی پر ایمان رکھتا ہے، اور اسلئے وہ خدا کی مرضی کی نہین بلکہ اپنی مرضی کا پابند ہے، اس کا نصب العین خدا کی مرضی کا اتباع نہین، بلکہ اپنی مرضی کی پیروی ہے، حتی کہ ایسا آدمی اگر نیکی کا وہی کام کرتا ہے،

جس کی نیکی ہونے کا خدا نے اعلان فرمایا ہے، بلکہ تمام نیکیون مین نیکی کے بلند ترین درجہ پر اسکو رکھا ہو، مثلاً اپنے لئے نہین اپنے خاندان کے لئے بھی نہین بلکہ اپنی قوم کے فلاح و بہبود، و سعادت و عزت کی راہون مین اپنا سب کچھ لٹا دیتا ہے، اور اسی جد وجہد مین وہ اپنی زندگی کی آخری سانس پوری کرتا ہے، یقیناً اوس نے بڑی نیکی کا کام کیا، لیکن پھر بھی اس نے جو کچھ کیا، خدا کی مرضی کی پابندی مین نہین بلکہ اپنی مرضی کی پابندی مین کیا ہے، پس خدا کی خوشنودی کے نتائج کا اگر وہ مستحق نہین ٹھہرا تو بتایا جائے کہ اسکے سوا اور کیا ہوتا اور کیا ہو سکتا ہی،

ایک مغالطہ کی تمثیل

فرض کیجئے کہ رات کو باہر نکلنے کی ممانعت کا اعلان کسی حکومت نے کیا، ایک شخص ہے جو اس حکم کے ماننے سے انکار کرتا ہی، حکم نامہ پر اس نے صاف لفظون مین یہ لکھ دیا، کہ مین اس حکم کی تعمیل نہین کرون گا، لیکن باوجود اس کے وہ رات بھر گھر ہی مین پڑا رہا، ایک سکنڈ کے لئے اس نے اپنے دروازہ سے قدم باہر نہین نکالا سوال ہوتا ہی کہ ایسی صورت مین اس رات کے باہر نہ نکلنے والے کو حکومت کے حکم کی تعمیل کرنے والون مین کیا شمار کیا جائے گا؟ حالانکہ اوس نے وہی کیا ہے جو حکومت چاہتی تھی لیکن وہی بات کہ یہ کام اسلئے نہین کیا کہ حکومت چاہتی تھی بلکہ اسلئے وہ رات کو نہین نکلا کہ حکومت نہین بلکہ اسکا دل یہی چاہتا تھا پھر اس نے اگرچہ کیا ہی ہو جو حکومت چاہتی تھی لیکن چونکہ اسکا نصب العین حکومت کے حکم کی تعمیل نہین بلکہ اپنے دل کی خواہش کے فیصلہ کی تعمیل ہے، اسلئے باوجود اسی کام کے کرنے کے جو حکومت کا مطلوب ہے، پھر بھی قطعاً وہ حکومت کا باغی ہے، اور ان تمام سزاؤن کا سزاوار جو بغاوت کے جرم مین حکومت نے مقرر کی ہے،

نیت کے اعتبار سے نتائج مین فرق

بہرحال یہی نیت اور نصب العین جو اسلام مین تمام اعمال و افعال کی اساسی روح ہے، اسی کی بنیاد پر یہ اسلامی عقیدہ ہے، کہ ایک بدترین فاسق جس سے کبھی کوئی نیک عمل نہ بن پڑا، لیکن جو خدا کے حکم اور اوس کی مرضی پر چلنے کا معاہدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر کر چکا ہے، یعنی دوسرے لفظون مین وہ اپنی زندگی کا نصب العین خدا کی اس مرضی پر چلنا ٹھہرا چکا ہے، جس کا علم خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقابل اشتباہ قطعی ذریعہ سے اسے حاصل ہوا ہے، خواہ کسی وجہ سے جسے دوسرے نہین، بلکہ وہی جان سکتا ہو، وہ اپنے اس اندرونی نصب العین کو عمل کی شکل نہ دے سکا، اگر وہ اپنے اس نصب العین مین سچا ہے، تو کوئی وجہ نہین کہ نصب العین ہی کی حد تک بھی خدا کے اجر سے وہ محروم ہو، لیکن بہرحال زندگی کے اس غیر مرئی، نادیدہ نامحسوس مخفی پہلو کے صحیح یا غلط ہونے کا واقعی علم خدا کے سوا اور کس کو ہو سکتا ہے، اس لئے خدا کے پاس اس کا واقعی جو انجام بھی ہو، لیکن ہم محض اس ایمانی معاہدہ کی بنیاد پر یعنی اپنی زندگی کے جس نصب العین کا اس نے اعلان کیا ہی، محض اسکی بنیاد پر اس بدکردار اور بدترین فاسق کو جس کا نامۂ اعمال ہر قسم کی نیکیون سے خالی ہو کر صرف سیاہ ہو چکا ہی یقین رکھتے ہیں اور اس کے سوا کوئی دوسری بات سوچ بھی نہین سکتے، کہ یہی فاسق اس شخص سے جو اس نصب العین سے محروم ہے، بہتر اور ہزار گونہ بہتر اسی قدر بہتر ہے، جتنا کہ ایک مومن منکر سے ایک مسلم کافر سے ہو سکتا ہے، خواہ اس فاسق کے مقابلہ مین اس شخص نے آسمان و زمین کو نیکیون اور ان ہی نیکیون سے کیون نہ بھر دیا ہو، جو خدا کے نزدیک بھی نیکیان اور بلند ترین نیکیان ہین،

اسکی مثال

بظاہر مسلمانون کا یہ عقیدہ عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا کیجئے کہ جہان عمل کی صورت نہین بلکہ روح مطلوب ہے، "اس نے کیا کیا" اور "کتنا کیا" یہ نہین، بلکہ "کس لئے کیا"، اس پر اور صرف اسی پر نظر رکھی جاتی ہے، اور اسی کی شہادت عقل، فطرت، اندرونی احساسات و فرائض، الغرض وہ ساری چیزین دے رہی ہین، جو شہادت سمجھی جاتی ہین، وہان اسکے سوا اور کیا فیصلہ کیا جا سکتا تھا، یا کیا کیا جا سکتا ہے، ڈاکٹر بھی لوہے کے ہتھوڑون سے آدمی کی ہڈیان توڑتا اور چھری کی دھارون سے انسان ہی کا گوشت کاٹتا ہے، اور ایک مسلح قزاق بھی آدمی کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے لیکن ڈاکٹر شکریہ کے

مستحق ہونے کے ساتھ اپنی اس خونریزی کا معاوضہ اور گران قدر معاوضہ حاصل کرتا ہے، اور ٹھیک یہی عمل قزاق کا بھی ہے، لیکن اسکے لئے اسی عمل کی پاداش مین پھانسی کا تختہ، یا تلوار کی باڑھ ہے، نصب العین کے سوا کس چیز نے ایک ہی عمل کی قیمتون مین آسمان و زمین کا فرق پیدا کر دیا، کچھ نہین معلوم کہ کینٹ نے کس چیز سے متاثر ہو کر اپنی "اخلاقیات" کی ابتدا، اخلاق و عمل کے اسی "راز" سے کی ہے،

عمل کی بنیاد نیت پر ہے لیکن حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو "وحی" کے باب مین سب سے پہلے "انما الاعمال بالنیات" والی حدیث درج فرمائی، اور اب تک وحی کے ساتھ نیت کے مسئلہ کا تعلق لوگون مین معمہ بنا ہوا ہے، جہان تک میرا خیال ہے، اسکی غالباً وجہ یہی ہے کہ انسان اپنی زندگی کا نصب العین، خدا اور خدا کی مرضی کو اس وقت تک نہین قرار دیسکتا، جب تک خدا کی مرضی کا بھی وہ صحیح علم حاصل نہ کرلے اور علم الٰہی کی تحصیل کے ذریعہ کا نام تو وحی ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ عمل کے بازار مین اسکی قیمت لگاتے ہوئے یہ نہین دیکھا جاتا، کہ وہ کتنا بڑا ہے، کتنا لمبا ہے اور کتنا چوڑا ہے، بلکہ جیسا کہ بخاری کی اسی روایت مین،

لکل امرء ما نوی، ہر شخص کے لئے وہی ہے، جو اس نے ارادہ کیا یا دل مین ٹھانا،

یعنی ہر عمل کی قیمت وہی ہے، جس کو سامنے رکھکر وہ کام کیا گیا تھا، گویا وہی نصب العین، جو کرنے سے پہلے عمل کے پیچھے چھپا ہوتا ہے، وہی کرنے کے بعد کرنے والے کے سامنے آجاتا ہے، جو کچھ بویا جاتا ہے وہی کاٹا جاتا ہے، پھر جو اپنی ذات کے لئے جیتا ہے، اسے دوسرون سے نہین بلکہ اپنے وجود ہی سے مسرت و اطمینان کا معاوضہ مل جاتا ہے، جو اپنے خاندان اور خاندان والون کے لئے زندگی گذارتا ہے، اسکے آگے ان ہی خاندان والون کے سینون سے احترام و تشکر کے بھیس مین اس کا عمل سامنے آجاتا ہے، پھر اسی طرح جو اپنی قوم کے لئے اسکے بہبود و سود کیلئے اپنے کو اپنی توانایون کو لٹاتا اور مٹاتا ہے، بلاشبہ اس نے

اپنی زندگی کے نصب العین کو بہت بلند مینارہ تک پہونچا دیا، پھر قوم ہی کے قلب سے ستایش کے ترانون، شکریہ کے اعترافون، جے کی پکارون، احترام کے زندہ یادون، عمارتی و مجسماتی یادگارون کی شکل مین اگر اس کے عمل کی آواز بازگشت دنیا کی قومون مین گونجتی اور تاریخ کے حافظون مین بند ہوتی ہے، تو جس کے لئے وہ اٹھا تھا، کیا وہی اس کے سامنے آکر کھڑا نہین ہو گیا ہے؟ مگر جس نے قوم کیلئے کیا تھا، بجائے قوم کے لوگ اسکی مزدوری خدا کے پاس کیون ڈھونڈھتے ہین، جس نے خدا کے لئے نہین کیا تھا، اگر خدا کے پاس بھی اس کے لئے کچھ نہین ملتا ہے، تو بتایا جائے کہ اس کے سوا اور کس بات کی توقع کی جاسکتی تھی،

۱؎ نصب العین اور صرف نصب العین جو ایک باطنی احساس کے سوا اور کچھ نہین ہے، ایسی سہل الوصول ارزان بالکل اختیاری چیز کو کھو کر جو اپنی زندگی، اور زندگی کی سرگرمیون کی اتنی گران قیمت کہ اسی زندگی کے معاوضہ مین وہ خدا کو بھی پاسکتا تھا، اس محرومی کے سوا انھون نے اپنے دل کی مرضی کو خدا کی مرضی ٹھہرا کر جو خدا پر افترا اور جھوٹ باندھا، یا خدا کے سچے نمایندون، اور واقعی خدا کی مرضیات و احکام کے ظاہر کرنے والون مین جن بزرگون کو گن کر، پھر ان ہی بزرگون کی صرف ان باتون کو ماننا جو ان کے من مانے خیالات کے مطابق ہون، جیسا کہ برہمو سماجی ذہنیت والون کا طرزِ عمل ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ دراصل ان بزرگون اور ان کی باتون پر نہیں بلکہ خود اپنے فیصلے کی قوت پر اعتماد کرنا اور ایمان لانا ہے، پھر ان بزرگون کی دوسری باتون کو جسے اپنی خواہش کے مطابق نہیں پاتے ان کو رد کر کے خود ان سچون کو بلکہ خدا کو خدا کی باتون کو جنھون نے جھٹلایا، اور اس کے حکم کی تعمیل سے قصداً و ارادۃً بغاوت و سرکشی کی، اگر قرآن نے ان دونون روشون کے متعلق اس قانون کا اعلان کیا ہے (یعنی من اظلم ممن افترى على الله كذبا (اس سے بڑا ظالم واقعات کے حدود کو توڑنے والا کوئی نہین ہے، جو خدا پر جھوٹ باندھتا ہے) فرما کر اسکو نسل انسانی کا سب سے بڑا ظالم ٹھہرایا، اور

ان الذين يكفرون بالله ورسله ويريدون ان يفرقوا بين الله ورسله — جو لوگ انکار کرتے ہین اللہ اور اللہ کے پیغمبرون کا، اور چاہتے ہین، کہ اللہ کو اللہ کے

ہان اگر وہ سب کچھ اسلئے کرتا ہو کہ خدا ہی نے اسکو یہ کرنے کا حکم دیا ہے، خدا سے اس کے منشاء اور مرضی کا علم حاصل کرنے کے بعد اپنی زندگی کو خدا کے لئے قرار دیتے ہوئے خدا کے فرمان کو بجا لاتا ہے، تو یقیناً اب اس کا ہر کام خدا کے لئے ہے، جو کچھ اپنے لئے اپنے خاندان کیلئے، اپنی قوم کے لئے، اپنے ابناے جنس کے لئے، الغرض جس کسی کے لئے جو کچھ کرتا ہے، چونکہ در اصل ان کے لئے نہین بلکہ خدا کے لئے ہے، اس لئے اب اس کی مزدوری خدا پر ہے، خواہ وہ کام کتنا ہی معمولی اور ناقابل لحاظ ہی کیون نہ ہو، یہی وہ راز ہے کہ اسلام مین بیوی کے ساتھ ہم بستری تک نیکیون کے سلسلہ کی ایک کڑی شمار کیگئی ہے، صریح اور صحیح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تو جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۷)

ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض	رسولون سے جدا کرین اور کہتے ہین کہ ہم
ویریدون ان یتخذوا بین	کچھ باتین مانتے ہین، اور کچھ کا انکار کرتے
ذلک سبیلا اولئک ھم الکافرون	ہین، اور چاہتے ہین کہ اس کے درمیان ایک
حقا واعتدنا للکافرین عذابا	راہ بتائین، یہی لوگ پکے واقعی کافر ہین اور
مھینا،	تیار رکھ چھوڑا ہے ہم نے منکرون کے لئے
(النساء، ع ۱۰)	رسوا کرنے والا عذاب،

فرما کر پیغمبرون کی کچھ باتون کے ماننے والے اور کچھ کا انکار کرنے والون کو اس نے "الکافرون حقا" یعنی پکا کافر و منکر قرار دیا، اور رسوا و خوار کرنے والے عذاب کو ان کے لئے مقرر کیا ہے، تو واقعات کی روشنی مین دیکھنا چاہئے، کہ اسکے سوا اور ممکن ہی کیا تھا، بلکہ سچ یہ ہے، کہ ایسے ناتربیت یافتہ جاہل گنوار دن سو جن مین سچ کو جھوٹ سے الگ کرنے کی کافی تمیزی تو نہین ہوتی، اور ان غافل مدہوش ناعاقبت اندیشون سے جو آنکھون کو بند کرکے سانپ کے وجود کا انکار کرنا چاہتے ہین وہی جو صرے سے خدا ہی کے منکر اور مذہب اور مذہبی نظام ہی کو فرضی ڈھکوسلہ سمجھتے ہین، ان دونون سے اس راہ مین سب سے بڑا مجرم وہ ہے، جس کی ذہنی و عقلی قوتین شب و روز مذہبی و اخلاقی موشگافیون مین منہمک اور سرگرم رہتی ہین،

اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوتا ہے، یہ بھی نیکی ہے، یہ نصب العین ہی کی تصحیح کا کرشمہ ہے، کہ ایک مومن کا ایسا معمولی نفسانی کام بھی نیکی کے مقام تک پہونچ جاتا ہے، اور جس نے اپنا سب کچھ، اپنی جان اپنا مال، اپنی عزت و آبرو سب کچھ لٹا دیا لیکن خدا کے لئے نہین لٹایا، وہ بیچارا ابوجہل کا ابوجہل ہی رہا، ورنہ سچ یہ ہے کہ جو قربانیان سید الشہداء حمزہ رضی اللہ تعالیٰ نے پیش کی تھین، ابوجہل نے نفس قربانی کی حیثیت سے کیا کمی کی تھی، جان سے زیادہ عزیز دوسری کیا چیز ہو سکتی ہے، لیکن اس کو بھی اوس نے بدر کے میدان مین مادر وطن اور پدر قوم کے قدمون پر نثار کر دیا تھا، (باقی)

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۸) اور جو خود بھی اپنے کو مذہب کے میدان کا مرد، اور بہت بڑا مرد خیال کرتا ہو، ظاہر ہے کہ اس کی غلطیان اس راہ مین سب سے زیادہ قابل الزام اور مستحق گرفت و باز پرس ہین، کہ یقیناً اس پر دوسرون سے زیادہ حجت پوری ہو چکی ہے، یا اسکو پوری ہونی چاہیئے، یہان ایک بات یاد رکھنے کی یہ بھی ہے، کہ ایسے ذرائع جن مین خدا کی مرضیات اور خدا کی باتون کے ساتھ انسانی خیالات و تصرفات اس طرح گڈمڈ اور مخلوط ہو گئے ہین، کہ اب ایک کو دوسرے سے جدا کرنے کا کوئی امکانی طریقہ دنیا مین باقی نہ رہا ہو، جو ان ہی مخلوط ناقابل اعتماد ذرائع پر غلط بھروسہ محض چند دنی اور چھچھورے اغراض (مثلاً قومیت وطنیت وغیرہ) کی بنیاد پر کر رہا ہے، تو یقیناً یہ بھی خدا کی مرضی کی نہین بلکہ اپنے غلط اور بے بنیاد اعتماد، اور اپنے دل کی خواہش کی پابندی کر رہا ہے، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ان مین بعض یہ کہتے ہین، علانیہ کہتے ہین، کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا سچا نبی اور نمایندہ مانتے ہین، لیکن اسی کیساتھ ان کے اس خدائی اعلان، قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (کہدو کہ اے انسانو! مین تم سب کی طرف خدا کا رسول بن کر آیا ہون) یا ما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا (ہم نے تمھین نہین بھیجا مگر یہ کہ سارے جہان کے انسانون کو خوشخبری دینے والا اور دھمکی دینے والا بنا کر) سے قطعاً چشم پوشی کرکے ان سارے احکام کی تعمیل کو اپنے لئے ضروری نہین قرار نہین دیتے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے نام سے دنیا مین پیش فرمایا، بلکہ یہ جانتے ہوئے کہ نبوت کے ختم ہونے کا بھی اعلان ہو چکا ہے، خود اپنے لئے وحی و نبوت کی راہ درست کرنا، کیا ضمیر کی زندگی کی علامت ہے؟

کشمیر مین شاہانِ مغلیہ کے چند آثار

از

جناب مولینا محمد بدرالدین صاحب استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈہ

مین سفر کے معاملہ مین بہت سُست واقع ہوا ہون، ناظرین کو تعجب ہو گا کہ باوجود علی گڈہ مین رہنے کے آگرہ صرف ایک بار گیا ہون، دہلی آتنی بار گیا ہون، کہ انگلیون پر گن سکتا ہون، جب قریب کے مقامات کا یہ حال ہو تو دور کا کیا ذکر، کہان مین کہان کشمیر کا طویل اور دشوار سفر، لیکن آب و دانہ کا زور میری سستی پر غالب آیا، اور امسال مئی مین مجکو کشمیر کھینچ کرلے ہی گیا،

اس مقام پر مین اپنا کوئی سفرنامہ نہین لکھنا چاہتا، نہ وہان کے قدرتی مناظر کی دلکش تصویرین کھینچنا چاہتا ہون، میرا دائرہ اس وقت وہان کے صرف شاہان مغلیہ کے چند آثار ہین، جن کو دیکھکر مین متاثر ہوا انہی کے متعلق تاریخی حیثیت سے روشنی ڈالنا چاہتا ہون، اسی ضمن مین بعض کی موجودہ حالت اور کچھ اور دلچسپ باتین جو اصل موضوع کیساتھ مرتبط ہین، آجائین گی، ایسی باتون سے گریز کرنا مشکل ہوجاتا ہے کیونکہ الحدیث ذو شجون یجر بعضہ بعضا،

دورِ اکبری — کشمیر اکبر اعظم کے زمانہ مین شاہان مغلیہ کے زیر نگین آیا، اُس وقت سے مغلون کے آثار کی بنیاد وہان پڑگئی، مغلون کے چار ہی بادشاہ اس لائق ہین، کہ بجا طور پر ہندوستان کے بادشاہ کہے جاسکتے ہین، یعنی اکبر سے عالمگیر تک، چنانچہ انہی چارون کے تعلقات کشمیر سے رہے، عالمگیر کا تو کوئی نشان مجھے نہین نظر آیا، باقی تینون کے آثار موجود ہین،

اکبرنامہ[۱] کے معائنہ سے پتہ چلتا ہی، کہ اکبر نے تین بار کشمیر کا سفر کیا، تیسرے سفر مین ناگر نگر کے قلعہ کی تعمیر کا حکم ہوا، جو آج تک صحیح و سالم کھڑا ہی، سری نگر مین مختلف مقامات سے یہ قلعہ اپنی عظمت اور قدامت کا جلوہ دکھاتا ہی،

ذیل کا قطعہ دروازہ پر منقوش ہے،

بناے قلعۂ ناگر نگر شد — بحکم بادشاہے دادگستر

سر شاہان عالم شاہ اکبر — تعالی شانہ اللہ اکبر

شہنشاہے کہ در عالم مثالش — نبود است و نخواہد بود دیگر

کرورودہ لک از مخزن فرستاد — دوصد استاد ہندی جملہ چاکر

نہ کردہ ہیچکس بیگار اینجا — تمامی یافتند از مخزنش زر

چہل و چار از جلوس بادشاہی — ہزار و شش ز تاریخ پیمبر

منجملہ دیگر وجوہ کے اس قلعہ کی تعمیر کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ اس زمانہ مین کشمیر قحط زدہ تھا، اس تعمیر سے غربار کی پرورش بھی منظور تھی، اور دوسرے طریقون سے بھی قحط زدہ علاقہ کو مدد دی، جسکی تفصیل خارج از بحث ہی،

آثار جہانگیری — جہانگیر کو کشمیر کیساتھ ایک خصوصی تعلق تھا، جو عشق کے درجہ تک پہونچا ہوا کہا جاسکتا ہے، شاہزادگی کی حالت مین دو بار چشمہ ویری ناگ پر جانا توزک مین لکھا ہی "در ایام حیات پدر خود دو مرتبہ بسراین چشمہ رسیدہ ام"[۲] اس کے معنی بظاہر یہ ہوئے، کہ شاہزادگی کی حالت مین دو سفر کشمیر کے ہوئے تھے، تخت نشین ہونے کے بعد پہلا سفر ۱۴ سنہ جلوس مین کیا، اس کے بعد متعدد سفر کئے، ہر بار محلات باغات اور چشمون کی تعمیرون کا حکم دیا،

---

۱ اکبرنامہ دفتر سوم ص ۷،۷ (مطبوعہ کلکتہ) ۲ توزک جہانگیری ص ۲۴۴،

چشمۂ ویری ناگ دریائے جہلم کا منبع ہے، اس پر تعمیر کا حکم بحالت شہزادگی صادر ہوا تھا جو ۱۵ سنہ جلوس مین تکمیل کو پہونچی، توزک[1] مین ہے:

"در زمان شاہزادگی حکم فرمودہ بودم کہ بر سر این چشمہ عمارتے کہ موافق آن مقام باشد اساس نہند درین ولا بانجام رسید، حوض مثمن چہل و دو ذراع و چہار دہ گز عمق و آبش از عکس سبزہ و ریاحین کہ بر کوہ رستہ زنگاری رنگ، و ماہی بسیار شناور و بر دور حوض ایوانہائے طاق زدہ و باغے در پیش این عمارت و از لب حوض تا در باغ جوئی، چہار گز در عرض و یک صد و ہشتاد گز در طول و دو گز، در عمق و بر اطراف جوے خیابان سنگ بستہ و آب حوض بمثابہ صاف و لطیف کہ با وجود چہار دہ گز در عمق اگر نخود دی، در زیر آب افتادہ باشد، بنظر در می آید، و از صفائی جوئے و سبزہ و گیاہ کہ در زیر آن چشمہ رستہ چہ نویسد، اقسام سبزہ و ریاحین درہم رستہ اند، جملہ بہ نظر می آید، بعینہٖ مانند دم طاؤس نقاشانہ و از موج آب متحرک دیکہ گل جابجا شگفتہ، و نفس الامر آنکہ در تمام کشمیر باین خوبی و دلفریبی سیر گاہے نیست"۔

واقعہ یہ ہو کہ باوجود بے مرمت ہونے کے اس جگہ کی خوبی بیان کے قابل نہین ہو، پہاڑ کی طرف جو حصہ دیوار کا ہے، اس پر ایک جگہ سیاہ پتھر پر حسب ذیل عبارت منقوش ہی:-

بادشاہ ہفت کشور شہنشاہ عدالت گستر، ابو المظفر نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ غازی بتاریخ ۱۵ سنہ جلوس درین سرچشمۂ فیض آئین، نزول اجلال فرمودند و این عمارت بحکم آنحضرت صورت اتمام یافت،

از جہانگیر شاہ اکبر شاہ	این بنا سر کشید بر افلاک
بانیٔ عقل یافت تاریخش	قصر آباد و چشمۂ ورناک

۱۰۲۹ھ

[1] توزک جہانگیری ص ۳۱۳،

چشمۂ اچھ بل اس چشمے پر جہانگیر نے اپنے لئے آرام گاہ بنوایا تھا، جو شاہجہان کے زمانے مین از سر نو تیار ہوا، آرام گاہ کے ساتھ ایک باغ بھی جہانگیر نے لگوایا تھا، جو اب تک موجود ہے، توزک[1] مین ہی:-

"بسر چشمۂ اچھول منزل شد...... آبشار خوشی دارد و بر اطراف درختہائے چنار عالی و سفیدار ہائے موزون سر بہم آوردہ، نشیمن ہائے دلکش بموقع ترتیب دادہ بودند، در نظر باغیچۂ باصفا، گلہائے جعفری شگفتہ گوئی قطعہ ایست از بہشت"۔

اچھا بل مین جہانگیر کا حمام اب بھی موجود ہے،

درحقیقت جہانگیر کو کشمیر کے ساتھ ایک خاص الفت تھی، اور وہان جانا اپنے معمولات مین داخل کر لیا تھا، اقبال نامۂ جہانگیری[2] مین ہی:-

"این سفر اضطراریست نہ اختیاری، چون ہوائے گرم بمزاج اشرف در غایت ناسازگاری ست، لاجرم ہر سال در آغاز موسم بہار صعوبت راہ را بر خاطر اقدس و مزاج مقدس آسان شمردہ خود را بہ گلزار ہمیشہ بہار کشمیر فردوس نظیر می رسانند و خوبہائے ہوائے کشمیر را دریافتہ و استیفائے لذت آن رشک بہشت فرمودہ باز در شتیہائے ہوائے او عنان عزیمت بصوب ہندوستان معطوف می دارند"۔

کشمیر جہانگیر کی زبان سے اب اس مقام پر کشمیر کے کچھ حالات کشمیر کے اس عاشق کی زبان سے سنئے، جنھون نے مجھ پر بھی وہی اثر ڈالا، جو جہانگیر پر ڈالا تھا:-[3]

"کشمیر باغے ست ہمیشہ بہار یا قلعہ ایست آہنین حصار، بادشاہان را گلشنے ست عشرت افزا و درویشان را خلوت کدۂ دلکشا، چمنہائے خوش و آبشارہائے دلکش از شرح و بیان افزون، آبہائے روان و چشمہ سارہائے از حساب و شمار بیرون، چندان کہ نظر کار کند، سبزہ است

[1] توزک ص ۳۱۳ [2] ص ۲۹۰ ، [3] توزک جہانگیری ص ۲۹۹ و ۳۰۰ ،

وآب روان، گل سُرخ وبنفشہ ونرگس خودرو صحرا صحرا، انواع گلہا واقسام ریاحین ازان بیشتر است کہ بشمار در آید، ...... گلہائے کہ در ییلاقات کشمیر بنظر در آمدہ از حساب وشمار بیرون ست آنچہ نادر العصری استاد منصور نقاش شبیہ کشیدہ از یک صد گل متجاوزست ...... آلو زردآلوی کشمیر خوب می شود ...... ناشپاتی نزد اعلیٰ می شود، از کابل وبدخشان بہتر نزدیک بہ ناشپاتی سمرقند، سیب کشمیر بخوبی مشہورست، ...... عمارات کشمیر ہمہ از چوب ست، دو آشیانہ وسہ آشیانہ وچہار آشیانہ می سازند وبامش را خاکپوش کردہ بیاز لالہ چوغاشی می نشانند و سال بسال در موسم بہاری شگفد وبغایت خوشنماست"۔

شالمار باغ | شالمار باغ کی ابتدا ایک آبشار کے بنانے سے ہوئی، توزک[1] میں ہے:-

"درین دوسہ روز اکثر اوقات بر کشتی نشستہ از سیر وتماشائے شگوفہ پہاگ وشالمار محظوظ گشتم پہاگ نام پرگنہ ایست کہ بر اطراف کوہ دل واقع ست وہمچنین شالمار نیز متصل آن، وجوئی آب خوشے دارد کہ از کوہ آمدہ بکول دل می ریزد، بفرزند خورم فرمودم کہ پیش آن را ببستند آبشارے بہم رسید کہ از سیر آن محظوظ توان شد واین مقام از سیر گاہ ہائے مقرر کشمیر است"

اس کے بعد جہانگیر کے زمانہ ہی میں باغ کی بنیاد بھی شاہجہان نے عالم شاہزادگی میں ڈالدی، بادشاہ نامہ[2] میں ہے:-

"بہترین اینہا باغ فرح بخش است کہ بحکم اقدس مرتب شدہ ... سراسر این باغ خیابانیست بعرض سی گز کہ در ایام سعادت فرجام بادشاہزادگی بامر حضرت خاقانی در جانب آن چنار وسفیدار بفاصلہ دہ گز نشاندہ اند واز تاریخ بنا تا حال کہ چہاردہ سال باشد بہ لطف تربیت سال بسال طراوت ونضارتش افزودہ، سابقًا این حدیقہ رشیقہ بشالمار معروف بود"۔

---

[1] توزک ص۳۰۲ ۔ [2] ج اول حصہ دوم ص۲۴،

عہد جہانگیری میں شالمار کی حقیقت اسی قدر تھی، شاہجہانی عہد میں اسکی توسیع ہوئی، توسیع کا ذکر آثار شاہجہانی میں آتا ہے،

آثار شاہجہانی باغ شالمار کی توسیع | شاہجہان کو بھی اپنے باپ کی طرح کشمیر سے خاص انس اور عشق تھا، چنانچہ تخت نشینی کے بعد چار بار کشمیر کا سفر کیا، حالت شہزادگی میں کم از کم دوبار وہان جانا ثابت ہے، جلوس کے بعد پہلی بار چھٹے سال میں سفر کیا، اور اسی سفر میں شالمار باغ کی توسیع کا حکم دیا، بادشاہنامہ[1] میں لکھا ہے:-

"درین ولا کہ بشرف قدوم نخل پیرائے ریاض خلافت زیب وزینت تازہ یافت وفیض وبہجت بے اندازہ ...... بفرح بخش موسوم گردید، ونہر کہ دہ گز عرض دارد واعلیٰ حضرت آنرا شاہ نہر نام کردہ اند، از عقب باغ داخل خیابان گشتہ، در وسط آن جاری ست واز میان عمارت میانہ باغ عبور نمودہ در حوض زیرین عمارت مذکور کہ سی گز در سی ست، وچبوترہ درمیان وہشت فوارہ دارد آبشارے شدہ می ریزد، ونیز از وسط عمارت ابتدائے باغ گذشتہ در حوض پایین آن کہ نہ فوارہ دارد، وسی در سی ست آبشارے دیگر شدہ درمی آید واز سہ جائے دیگر آبشار گشتہ، واز خیابان برابر باغ گذارہ نمودہ بدل می پیوندد، بہنائی شاہ نہر درین خیابان کہ آن نیز سی گز عرض دارد، دہ گز ست، کشتی از ڈل بخیابان مذکور درآمدہ نزدیک عمارت ابتدائے باغ می رسد، ودر انتہائی خیابان بر سر شاہ نہر جائے کہ بدل متصل می شود، اعلیٰ حضرت عمارتے کہ از یک طرف بدل واز جانب دیگر بر خیابان مشرف باشد و کشتی میان آن آمد وشد نماید مقرر نمودہ حکم فرمودند کہ دو ایوان رو بشاہ نہر مقابل ہم بسازند بردو سوئے حوض پیش عمارت درآمد باغ دو دست منزل ودر پس آن جائے برائے خانمان

---

[1] ج اول حصہ دوم ص۲۴،

محل مقدس ساختہ اند، سفیدار یکہ شہنشاہ گیتی پناہ در ایام بادشاہزادگی بدست میمنت پیوست درشاہ نہر نشاندہ بودند، ودو درخت چنار کہ بردو کنار شاہ نہر برابر ہم دیگر واقع شدہ درہم ہر یک چبوترہ بستہ برروے آن سہ برکہ کاشتہ اند، حسن جہان افروز این گلشن فردوس آئین را رونق دیگر بخشیدہ، درین ولا بفرمان قدر توان عقب باغ فرح بخش باغ دیگر طرح نمودہ بفیض بخش موسوم گردانیدند وحکم شد کہ خیابان آن بہ پہنائی خیابان فرح بخش بسازند، وشاہ نہر باعرض پانزدہ گز از میان بگذرد وسہ قطار فوارہ دران جوشان باشد ووسط باغ حوضے شصت گز در شصت کہ شاہ نہر مذکور از ارتفاع دو گز آبشار شدہ دران بریزد ترتیب دادہ یک صد وچہل وچار فوارہ نصب نمایند ومیان حوض عمارتے طنبی دہ گز در ہشت گز ودر دو طرف طولانی ان دو ایوان سنگین ہر یکے بطول بست وچار گز وعرض ہفت گز، ودر ہر دو جانب آن دو حجرہ ہر کدام بطول ہشت گز وعرض پنج بنا نہند ونہر مذکور ازین حوض برآمدہ از سہ جانب سہ آبشار شدہ بریزد، ہر آبشارے بعرض دہ گز تا دروازہ فرح بخش جاری باشد ودران سہ رشتہ فوارہ ویک جانب نزدیک دیوار باغ حجرہ کہ دو تخانہ خاص وعام و قرینہ آن عمارتے دیگر مرتب گردانند"،

اس عبارت مین جس بسط وتفصیل کے ساتھ باغ کا ذکر ہے، وہ اگرچہ بظاہر تطویل ہو لیکن درحقیقت اس کا لطف وہی حاصل کر سکتے ہین، جو اسکو سامنے رکھکر باغ کا معائنہ کرین فرح بخش اور فیض بخش آجکل دونون ایک ہی ہین دیکھنے والے کو دوئی کا گمان نہین ہوتا، مختلف مدارج پر آبشارون کا نظارہ اور بیک وقت سینکڑون فوارون کی روانی کا سمان دیدنی ہے نہ شنیدنی" باغ کا تیرہ ہزار فٹ اونچی لازوال برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی کے دامن مین واقع ہونا، اور اس کی دلکش وضع وقطع بہت کچھ اسکی مقبولیت کے اسباب ہین،

نشاط باغ | جہانگیر کی شہرۂ آفاق بیگم نورجہان کے بھائی آصف جاہ خان (سپہ سالار افواج الخطاب بہ خانخانان ویمین الدولہ) نے اس باغ کو شاہجہان کے زمانہ مین اپنی تفریح کے واسطے بنایا تھا، یہ باغ اونچے پہاڑون کے دامن مین ایک خوش قطعہ ڈھال پر واقع ہے، جس کے پائین مین ڈل لہرا رہی ہے اور اس کے پیچھے دائمی برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑون کا سلسلہ نظر آتا ہی،

اس باغ مین زینہ کی طرح تلے اوپر نو درجے ہین، جن کی ترتیب نہایت عمدہ اور خوبصورت ہے، بیچون بیچ ایک نہر جاری ہے، جو دامن کوہ سے باغ مین داخل ہوکر ہر درجہ کے خاتمہ پر آبشار بناتی ہوئی باغ کے باہر ایک حوض مین گر کر ڈل مین ملجاتی ہے، نہر کی تمام لمبائی مین فوارون کی ایک قطار چلی گئی ہی، باغ کا مجموعی نظارہ کرنے کے لئے دو مقام ہین، ایک بالائی، جہان سے نیچے کا منظر سامنے ہوتا ہی، دوسرا زیرین درجہ مین ایک دو منزلہ جہان سے اوپر کی طرف آبشارون اور فوارون کی روانی سامنے ہوتی ہے، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی کہ کون سا منظر بہتر ہے، کیونکہ اگر نیچے سے اوپر والا باغ کی تفصیلات کو زیادہ پیش کرتا ہی، تو اوپر سے نیچے والا باغ کے اجمالی منظر کے ساتھ ڈل اور پرپنجال کی برفانی چوٹیان بھی نمایان کرتا ہی، اس باغ کے دلکش طرز اور خوبصورت محل وقوع کی وجہ سے اگر اسکو بہترین باغون مین کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا، خود شاہجہان نے بھی اس پر اپنی پسندیدگی کی مہر لگائی تھی، جس کی طرف اپنے فرمان مین ان الفاظ مین اشارہ کیا ہی:۔

"منظور نظر والا ومطرح شعاع قبہ چتر گردون سا گشت"، (گلزار کشمیر ص ۲۰۹)

باغ وعمارات اچھبل کی تجدید | شاہ جہان نے اچھبل بیگم صاحب کو عطا کرکے صاحب آباد نام رکھدیا تھا، ایک بار جب شاہجہان کا ادھر سے گذر ہوا، تو جہانگیری آرام گاہ بوسیدہ نظر پڑا، حکم دیا کہ جدید عمارت تیار ہون، بادشاہ نامہ مین ہے،[۲] :۔

[۱] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۲۸، [۲] " ص ۵۱،

"در دہ اچھ بل کہ حضرت شاہنشاہی آن را بہ نواب گردون قباب خورشید احتجاب بیگم صاحب مرحمت نمودہ صاحب آباد نامیدہ اند، نزول اجلال فرمودند و چون عمارت منسوب معلّیٰ دولت خانہ خاص کہ در عہد حضرت جنت مکانی، درین موضع ترتیب یافتہ بود، چہ از کہنگی، و چہ از بدطرحی پسند طبیعت اشرف نیفتاد، حکم شد کہ بجائے آن عمارات دیگر با آبشارہا و حوض ہا بہجت آرامگاہ مقدس و دولت خانہ خاص و عام مرتب گردانند و بمراتب بہتر ازان چہ پیشتر بود برروئے کار آمد۔ درین جا چشمہ ایست در کمال عذوبت و صفا کہ با چندین چشمۂ دیگر بحوض ایوان عمارت محل در شدہ در حوض کلان، پیش ایوان می ریزد و از آنجا بحوض و جوئے آبشار ریختہ بیرون باغ می رود"،

اب ان عمارتون کے سامنے کی دیوارین اور چھتین باقی نہین ہین، صرف پشت کی دیوار جو پہاڑ کے دامن مین ہے، باقی ہے، بعض دیوارین جو سامنے کی طرف والی دیوار سے ملانے کیلئے تیار ہوئی تھین، ٹوٹی پھوٹی پڑی ہین، میرا خیال ہو کہ لڑائیون مین یہ دیوارین توڑی گئی ہین، جس کا اچھی طرح پتہ چلتا ہی، مگر دیوارین اتنی مضبوط تھین، کہ توڑنے والے پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکے،

یہان کے چشمے کی دلفریبی آبشارون کے ساتھ دیکھنے والون کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہی، اور گو یہان کا باغ چھوٹا ہے، لیکن چنار کے درختون کا سایہ اس مین بھی اُسی شان کا ہی جیسا بڑے باغون مین،

باغ ویری ناگ | جہانگیر کے زمانہ مین اس چشمہ کی عمارت کے سامنے کوئی باغ نہ تھا، شاہجہان نے اس جگہ کی خوبی کو مدنظر رکھکر ایک باغ تیار کرنے کا حکم دیا، جسکی تفصیل بادشاہ نامہ[1] مین یون درج ہے،

[1] صد ۵۲،

"چون بر دو چشمہ عمارتے و باغے درخور این گل زمین نبود حضرت خاقانی باغے دلکشا و مناسب و حیاض و جداول درحضور اقدس طرح انداختہ بشاہ آباد موسوم کردند و حیدر ملک کشمیری را بداروغگی عمارات مذکورہ سرافراز ساختہ حکم کردند کہ او گرد این حوض را کہ بزمان حضرت جنت مکانی رو بحوض اساس یافتہ از پا بنیاد زد و در صحرائے آب چشمہ از حوض ایوانے کہ یک روئش بباغ باشد و دیگر رو بحوض بطول ہفدہ ذراع و عرض دوازدہ بہ و بر سر آن دو عمارت طلبنی کہ ہر کدام شاہ نشینے رو بباغ داشتہ باشد بسازد ببطرزے کہ جوئے بعرض پنج گز از آب چشمہ میان ایوان مذکور شدہ در باغ جاری گردد، در ہر طرف ایوان ہفت ایوان دیگر کہ در ہر دو جانب چہاردہ ایوان واقع شود، و دو جوی دیگر از دو سمت نہر مزبور کہ ہر یک بعرض چہار ذراع از پیش ایوانہا بگذرد و ہر دو جانب وسط باغ دو تنخانہ خاص و دوست عمارت یکے بر سر دروازہ دیگرے قرینۂ آن و حمامے با حوضہا و آبشارہا و نشیمن ہا مقرر فرمودند، و در منتہائے باغ نیز حوضے پنجاہ و ہفت گز در پنجاہ و ہفت کہ فوارۂ در میان و سہ آبشار بر طرف آن باشد طرح نمودند"۔

باغ کے اندر اب نہ دولتخانہ خاص کا کوئی نشان باقی ہے نہ حمام کا، و تلک الایام نداولہا بین الناس، اس شاہجہانی تعمیر کے متعلق ایک کتبہ چشمہ کی اندرونی عمارت مین لگا ہوا ہے، اگر دیکھنے والا دائین جانب سے مدور حصّہ کی سیر کرے، تو جہانگیر والے کتبہ سے پہلے شاہجہانی کتبہ ملتا ہی، جس پر ذیل کا قطعہ تاریخ کندہ ہی:۔

حیدر بحکم شاہ جہان بادشاہ دہر — شکر خدا کہ ساخت چنین آبشار و جوئے
این جوئے دادہ است ز جوی بہشت یاد — زین آبشار یافتہ کشمیر آبروئے
تاریخ جوئے آب بگفتا سروش غیب — از چشمۂ بہشت، برون آمدست جوئے
۱۰۵۵ھ

چشمہ شاہی جس پہاڑ کے نیچے شالمار اور نشاط باغ ہین، اسی سلسلہ کے ایک پہاڑ کے دامن مین نہایت بلند جگہ پر چشمہ شاہی واقع ہے، اسکے ساتھ ایک خوبصورت باغ بھی ہی، جس مین چنار اور ہر قسم کے پھل ہین، اس باغ مین بھی متعدد درجے ہین، اور ہر درجہ مین نہرین، فوارے اور آبشار رواں، آخری درجہ کے منتہیٰ پر چشمہ ہے، جس کا پانی نہایت سرد اور لطیف ہی، اس چشمہ کی خوبی کا لطف مجھکو جس قدر حاصل ہوا، وہ قوتِ تحریر اور تقریر سے بالاتر ہے، نہایت افسوس ہی کہ ایسی نفیس اور بے نظیر جگہ کا ذکر شاہی زمانہ کی لکھی ہوئی کسی کتاب مین مجکو نہ مل سکا، شاید یہ میری تلاش کا قصور ہو،

تذبذب اگست ۱۹۳۹ء سے یہ مضمون اس انتظار مین پڑا رہا، کہ چشمۂ شاہی کا ذکر کسی قدیم کتاب مین ملجائے، تفحص جاری رہا، اپنی ناکامی پر دوسرون کی طرف رجوع کیا، خود کشمیر کے محکمۂ آثارِ قدیمہ سے مراسلت کی، جہان سے حال کی ایک تالیف کا حوالہ آکر بات ختم ہوگئی، اور باوجود اصرار کے اس کے محولہ اوراق کی نقل تک نہ ملی، اپنے دوست سید بشیر الدین صاحب لائبریرین مسلم یونیورسٹی کے توجہ دلانے پر کرمی حشمت اللہ خانصاحب رئیس گولا گنج لکھنو سابق متوسل ریاست کشمیر سے خط وکتابت کی، موصوف نے بھی کسی قدیم کتاب کا پتہ نہ دیا، ان حالات مین مضمون کو بصورت موجودہ شائع کرنے کا فیصلہ مجبوراً کرنا پڑا،

مذکورۂ بالا ذرائع سے جو کچھ معلوم ہوا اسکو شکر گذاری کیساتھ اصل مضمون سے الگ تحریر کرتا ہون،

معلومات بہ ذریعہ محکمۂ آثارِ قدیمۂ کشمیر چشمۂ شاہی شاہجہان کے عہد مین خود شاہجہان کے حکم سے سرکاری خرچ پر تیار ہوا تھا، تاریخ بنا "کوثرِ شاہی" ہی جس سے ۱۰۴۲ھ نکلتے ہین (بحوالہ کتاب مؤلفہ آر. سی. کاک)

معلومات بذریعہ حشمت اللہ خانصاحب ماضی قریب مین ایک شخص حسن شاہ کشمیری نے فارسی مین کشمیر کی تاریخ لکھی ہی، جس کا نام تاریخ حسن ہی، اس کتاب مین چشمۂ شاہی کے متعلق حسب ذیل عبارت ہی:-

"چشمۂ شاہی متصل شہر، زیرِ دامن کوہ شالہ مار، آب آن نہایت عذب ولطیف وخوشگوار است

سلاطین وامرائے این دیار بکمال ہوس آب آن چشمہ استعمال می دارند، بنا بران آن را چشمۂ شاہی نام کردہ اند، شاہجہان بعہد خود عمارتے خوش وباغے دلکش دران جا احداث کردہ، حوض سر چشمہ را سنگ بستے عجیب دادہ است، حکم بدیہہ تاریخ گفت:-

دوش دیدم نشستہ بر کوثر	شاہ مردان علی جم جاہی
گفتمش السلام، گفت علیک	گفت بر گو دگر چہ می خواہی
گفتمش بہر چشمہ تاریخے	گفت بر گوئے کوثر شاہی

۱۰۴۲ھ

گلزارِ کشمیر (ص ۲۰۰) مین نشاط باغ کے حوض کی تاریخ بھی کوثرِ شاہی لکھی ہی، ظاہر ہے کہ دونون کی تاریخ کا مادہ ایک نہین ہوسکتا، اسلئے لامحالہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ کوثرِ شاہی کو چشمے کی تاریخ قرار دینا صحیح ہی یا نشاط باغ کی؟ کشمیر کے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے تو اس کا کوئی جواب ہی نہ دیا، جناب حشمت اللہ خانصاحب فرماتے ہین، کہ دونون تاریخین ایک نہین ہین، تھوڑا سا فرق ہی یعنی کوثرے شاہی ("ے" کے ساتھ) چشمہ کی تاریخ ہے، جس کے اعداد ۱۰۵۲ ہین، اور کوثرِ شاہی (بغیر "ے" کے) نشاط باغ کی، جس کے اعداد ۱۰۴۲ ہین،

اس حل کو تسلیم کرنے مین کوئی عذر نہین مگر تین باتین قابلِ لحاظ ہین: (۱) تاریخون کے میدان مین اتنی تنگی نہین ہی، کہ ایک ہی مادے کو تصرف کرکے مختلف چیزون کی تاریخ کہی جائے (۲) جناب موصوف نے اپنے پہلے خط مین چشمہ کی تاریخ کوثر شاہی (بغیر "ے" کے) تحریر فرمائی ہے، (۳) آثارِ قدیمہ والون نے بھی چشمہ کی تاریخ کوثر شاہی (بغیرے کے) لکھی ہے، کیونکہ انھون نے اس کے اعداد ۱۰۴۲ بھی لکھدیئے ہین،

تصحیح

گذشتہ مہینے کے معارف (ص ۱۴۳ سطر ۱۱) کلام اللہ کی ایک آیہ مین جَحَدُوا بِهَا کے بجائے جَحَدُ وَابِهَا چھپ گیا ہی ناظرین تصحیح فرمائین،

انسانی آزادی جدید سائنس کی روشنی میں

از

جناب پروفیسر معتضد ولی الرحمن صاحب ایم اے

انسانی آزادی کے مسئلے مین دو بڑی اہم مشکلات ہین، اوّل تو یہ کہ نظری مسائل مین یہ سب سے زیادہ اہم ہی، اکثر مفکرین کا خیال ہو کہ اگر انسانی آزادی ثابت نہین ہو سکتی تو اخلاقیات اور مذہب دونون کا خاتمہ ہو جاتا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہو کہ یہ بحث شروع ہی سے جانبدارانہ ہوتی ہے، ایک طرف تو اس مسئلہ کا حل بہت ضروری ہے، اور دوسری طرف ایک حل کے مقابلے مین دوسرے حل کی تائید مین بہت سے شواہد دستیاب ہوتے ہین، لہذا اس مسئلہ پر تمام غور و فکر مین جذباتی رنگ آمیزی بہت زیادہ ہوتی ہے، اس بحث مین اکثر نتیجے کو پہلے ہی سے فرض کر لیا جاتا ہی، بعض اوقات ایک ضمنی مقدمے سے نتیجہ اخذ کر لیا جاتا ہے، چنانچہ بعض مفکرین کے دل مین پہلے ہی سے خیال ہوتا ہے کہ وہ دنیا ناقابل برداشت ہو گی جس مین جبر کی حکومت ہے، یا یہ کہ اگر دنیا پر تقدیر ہی کی حکمرانی ہے، تو نیکی اور نیک کرداری کی کوشش ہی بے معنی ہے،

دوم یہ کہ غالباً جذباتی متلازمات کی وجہ سے اس مسئلہ کو غلط صورت مین پیش کیا جاتا ہے، اس مسئلے کو بیان اور حل کرنے کے لئے جتنی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہین، مثلاً "آزادی" "جبر" "ارادہ" "ذات" اور "تعیین ذات" وہ سب غیر واضح اور مبہم ہین، پھر لطف یہ ہے کہ ان کو واضح کرنے اور ان کے ابہام کو رفع کرنے کی کوشش بھی نہین کی جاتی، نتیجہ یہ ہے کہ سائنس کی بنا پر جو کچھ بھی ثابت کیا جاتا ہی، اس سے یہ معلوم نہین ہوتا، کہ یہ آزادی بہ معنی اطلاقی جبر ہے، یا بہ معنی تعیین ذات، اس کے علاوہ یہ بھی معلوم نہین ہوتا

کہ ہم نے انسان کے ارادے کی آزادی کو ثابت کیا ہے یا اس کے کردار کی آزادی کو اسی طرح یہ بھی نہین بتایا جا سکتا، کہ آزادی علتون کے موجود نہ ہونے کے ہم معنی ہے، یا کردار کی پیشین گوئی نہ ہو سکنے کے، اصطلاحات کی ان ہی خامیون کی وجہ سے پلانک اور کومپٹن، دونون نے انسانی آزادی کو ثابت کیا ہے، لیکن مقدم الذکر فطرت کو علت و معلول کا سلسلہ سمجھتا ہے، اور موخر الذکر کا عقیدہ ہو کہ علی تعیین غیر منقطع نہین، پلانک کے ہان تو آزادی پیشین گوئی نہ کر سکنے کی قابلیت کے ہم معنی ہو، اور کومپٹن کے ہان طبیعی تعیین کے عدم وجود کے،

اس مین شبہہ نہین کہ یہ مسئلہ اپنے وسیع ترین معنون مین، ان مقدمات سے حل نہین ہوتا جن کو صرف سائنس پیش کرتی ہی، اس کے لئے ہم کو بہت سے مختلف قسمون کے تجربات کے پیش کردہ مقدمات کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن نظری فلسفے کے مسئلے ہونے کے لحاظ سے یہ اپنے مقدمات کے لئے اس حد تک محدود ہے، جو سائنس کے موضوعات بحث یا اس کے طریقے مہیا کرتے ہین، بنیادی حیثیت سے سائنس یکسانیتون[1] کی تحقیق کے مسئلے پر مبنی ہوتی ہے، یہ یکسانیتین خود فطرت مین موجود فرض کی جائین یا ان کو توجیہات کا محض طریقہ سمجھا جائے، اس کا فیصلہ ہمارے لئے اہم نہین، دونون صورتون مین یہ سائنس کی لازمی شرائط ہین، سائنس تعیمات بیان کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور ظاہر ہے کہ تعمیم بغیر یکسانیت کے ناممکن ہی، یکسانیت مکرر روابط، اور ان روابط سے پیدا ہونے والی خود روئی کی عدم موجودگی پر دلالت کرتی ہے، اس طرح جو کامیابی کہ سائنس کو یکسانیتون اور باقاعدگیون کی تلاش مین ہوتی ہے، وہی ان یکسانیتون اور باقاعدگیون کے وجود کا یا کم از کم بہ حیثیت طریق توجیہ اصول باقاعدگی کی قابلیت حصول کا معیار بن جاتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ انسان فطرت کا ایک حصہ ہو، اب ہم کو اس سوال کا جواب دینا ہے، کہ وہ فطرت کا محض حصہ ہے، اور اس وجہ سے ان خصائص کا اظہار کرتا ہے، جو فطرت کے باقی ماندہ حصے مین بھی پائے جاتے ہین، یا یہ کہ وہ ایک استثنائی حصہ ہے لہذا

[1] UNIFORMITIES

ایسے خصائص کا اظہار کرتا ہے، جو فطرت من حیث الکل مین مشترک نہین، ؟ لیکن انسانی کردار کی آزادی
کو عام واقعات سے منتج کرنے کی اباحت مین آج تک کسی نے شبہہ نہین کیا،

اس سلسلے مین دلچسپ بات یہ ہے کہ تاریخ کے ہر دور مین سائنس کے رتبہ کا صحیح اندازہ
انسانی آزادی کے متعلق مفکرین کے خیالات سے کیا گیا ہے، جس دور مین سائنس بالکل ساکن و جامد
رہی ہے، وہ بالکل وہی زمانہ ہے، جس مین انسان نے فطری اعمال کی باقاعدگی اور یکسانیت کو بھلا یا ہوا
اور خود اپنے آپ کو اپنی تقدیر کا مالک سمجھا ہے، اس کے برخلاف سائنس کا پُرفعلیت زمانہ عین وہ زمانہ
ہوتا ہے، جس مین انسان کو فطرت کی پابندی قانون، اور اسلئے خود اپنی بے بسی کا احساس ہوتا ہے، اس
مطابقت سے معلوم ہوتا ہے، کہ کم از کم عوام کے لئے ان دونون واقعات مین کوئی ربط ہے، قانون کا عدم وجود
انسانی آزادی کے ساتھ، اور اس کا وجود انسانی مجبوری کے ساتھ متلازم کر لیا جاتا ہے،

زمانہ متوسط وہ زمانہ ہے، جس مین جہانتک ہم کو علم ہے، سائنس نے بہت کچھ ترقی نہ کی، اس
زمانے مین دنیا کے متعلق مفکرین کا خیال بعد کے زمانہ کے مفکرین کے خیال سے مختلف تھا، یہی اختلاف
ہمارے مندرجۂ بالا بیان کی بہترین تاریخی مثال ہے، زمانہ متوسط کے مفکرین کے نزدیک انسان ہر لحاظ
سے کائنات کا مرکز تھا، ان کا عقیدہ تھا کہ تمام فطرت بہ لحاظ غایت اسکی اور اسکی ابدی تقدیر کی تابع ہے
...... دنیا کے متعلق اس زمانہ کے مروجہ عقیدے کی خصوصیت یہ تھی، کہ اس مین یقین دلایا گیا تھا، کہ انسان
اپنی امیدون اور نصب العینون سمیت کائنات کا اہم ترین حصہ ہے، بلکہ یہ کائنات کلیۃً اسی کے تابع ہے
...... واقعات کی توجیہ مین اشیا، اور انسانی مقاصد کا تعلق اتنا ہی حقیقی سمجھا جاتا تھا، جتنا کہ خود ان کا باہمی
تعلق، بلکہ بعض اوقات تو مقدم الذکر تعلق موخر الذکر تعلق کی بہ نسبت زیادہ اہم مانا جاتا تھا، ان لوگون کا
خیال تھا، کہ بارش انسان کے کھیتون کو سیراب کرنے کے لئے بھی ہوتی ہے، اور اس وجہ سے بھی یہ قطرے
بادلون مین سے گرتے ہین، تمام توجیہات مین غایتی تعلیلون کی تمثیلات بہ کثرت استعمال کیجاتی تھین....!

تمام کائنات بہت چھوٹی سی محدود جگہ تھی، اور یہ جگہ انسان کی تھی، وہ مرکز پر متمکن تھا، فطری تخلیقات اس کے
فائدے کے تابع تھے!!

اس کی عین ضد دنیا کے متعلق وہ عقیدہ ہے، جو سائنس کی آمد اور فطری اعمال کی میکانکی نوعیت
کے انکشاف کے بعد پیدا ہوا، زمانہ متوسط کے مفکرین تو فطرت کو انسان کے علم اس کی غایت اور اس
کے مفاد کے تابع سمجھتے تھے، اب اسکو مکتفی بالذات اور آزاد مانا جانے لگا، انسان کا علم اور اس کی
غایت اس کا نتیجہ اور اس کا معاد اس کے تابع متصور ہوا، اب فطرت غایتی نہ رہی، بلکہ علتی بن گئی، نہ
صرف یہ کائنات، بلکہ خود انسان کی تقدیر بھی انسان کے اختیار سے باہر ہو گئی، یہ ان قوتون کا معمول تسلیم
ہو گیا، جو میکانکی اصول کے مطابق عمل کرتی ہین، بارش صرف اس کے کھیتون کے سیراب کرنے ہی کے لئے
نہین بلکہ طوفانون اور طغیانیون کے ذریعہ سے اسکو تباہ کرنے اور اسکے گھرون اور خاندانون کو برباد کرنیکے لئے بھی ہونے لگی
کائنات بے حد و نہایت بن گئی، انسان کی ملکیت مین صرف ایک نقطہ باقی رہا، اور وہ بھی محض عارضی طور پر کیونکہ ان دیکھی
قوتین جلد ہی اسکو اس سے بھی محروم کر دیتی ہین، انسان کی آزادی اور خود مختاری خیال خام اور محال ہو گئی۔

زمانہ حال مین انسانی آزادی کی دلکشی اور دلچسپی سے بھی طبیعی علوم کی موجودہ حالت کا اندازہ
ہوتا ہے، لیکن اب صورت حال گذشتہ زمانے کی صورت حال سے ذرا مختلف ہے، اب انسانی آزادی کے
متعلق جس قدر بحث مباحثہ آج کل کے فلسفہ، سائنس مین ہو رہا ہے، وہ سائنس کے سکون و جمود کا نہین
بلکہ اسکی فعلیت کا نتیجہ ہے، بات یہ ہے کہ اس فعلیت نے خود سائنس مین ایک ایسے واقعے کا انکشاف
کیا ہے، جو قانون کی پابند فطرت کے افتراض کے بالکل منافی ہے، اس واقعے کو ہائی سن برگ[1] نے
اپنے اصول عدم تعین[2] کی صورت مین بیان کیا ہے، اس اصول کے مطابق فطرت کے کسی ذرے کی حالت کو
معین کرنے کے لئے اس کے مقام اور اس کی شرح حرکت کو بیان کرنا پڑتا ہے، لیکن ان دونوں کو صحت کیساتھ

Principle of indeterminacy [2] Heisenberg [1]

معلوم نہیں کیا جاسکتا، اس اصول کی بنا پر فطرت کی علی ساخت مین کوئی انقطاع نتیج کیا جاسکتا ہو یا نہین، اس پر سائنس کے ماہرین متفق نہیں، لیکن اگر اس سے کسی حقیقی خود روئی کے وجود کا ثبوت نہین ملتا تو کم از کم اتنا تو ہوتا ہے، کہ اس سے بعض ایسے مظاہر کے متعلق پیشین گوئی کی محالیت مسلّم ہو جاتی ہے جن کو بہ لحاظ نوعیت علی فرض کیا جاتا تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ انسانی آزادی کے حامیون نے اس اصول کا نہایت گرمجوشی سے خیر مقدم کیا ہے، لیکن پھر بھی یہ لوگ ہمیشہ یہ نہین کہتے کہ اس اصول سے انسانی آزادی ثابت ہو جاتی ہے، ان کا منشا صرف اس قدر ہوتا ہے، کہ اس سے انسانی آزادی کی گنجایش پیدا ہو جاتی ہے، جس کو ممکن ہے کہ کسی اور بنا پر ثابت کیا جا سکے، بہر حال اب طبیعی علم کے افتراضات اور اخلاقی شعور کے اقتضاآت مین کوئی تنازع باقی نہین رہا، لہذا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سائنس انسانی زندگی کے معاملات کا فیصلہ کر سکتی ہے، تب بھی یہ انسانی آزادی کو مٹا نہین سکتی، کیونکہ اسی قسم کی ایک چیز طبیعی دنیا مین بھی پائی جاتی ہے، فطرت کی یکسانیت مین بہت سے رخنے پائے جاتے ہین، لہذا اگر انسان فطرت کا حصہ ہے، تو ہو سکتا ہے، کہ وہ آزاد ہو، یہ مختصرًا وہ صورت حال ہے، جس نے زمانہ حال مین اس مسئلے کو سائنس کے ماہرین کے لئے دلچسپ بنا دیا ہے ہم عصر مصنفین کے عقائد کے معاینہ سے قبل خود اس مسئلے کی تحلیل مناسب ہو گی،

مسئلہ کی عام نوعیت

لہذا سوال یہ ہو کہ سائنس کی رو سے انسانی آزادی کا مسئلہ کیا ہے؟ اس کو ہم ان الفاظ مین بیان کیا جاسکتا ہو: ایک مکمل کردار کی تحلیل دو مختلف طریقون سے کیجا سکتی ہے ایک تحلیل طبیعی ہے، جس مین اس کردار کو حرکات کی صورت مین تحویل کر دیا جاتا ہے، مثلاً ہاتھ اٹھانا، بولنا، وہ دماغی حالت، جو اسکی مفروضہ علت ہے، اور وہ دماغی حالت جو اس دماغی حالت کی علت، وَقِسْ عَلیٰ ھٰذا اسی طرح ہم زمان مین پیچھے کی طرف ہٹتے چلے جا سکتے ہین، جسمانی اعمال کی حد تک دماغ وہ مرکزی آلہ ہے، جو ان اعمال کو منضبط کرتا ہے، اور ان تمام حرکات

کی تحریک کا ذمہ دار ہے، جو خالصتہً اضطراری نہین، اس کے مقابلے مین نفسی طبیعی توجیہ ہے، اس مین بھی اس کردار کو اسی طرح کی جسمانی حرکات، دماغی حالت جو اسکی مفروضہ علت ہے، اور ارادہ یا ذہنی حالت جو اس ذہنی حالت کا سبب ہے، مین تقسیم کر دیا جاتا ہو، اس تحلیل مین بھی دماغ کو انضباط کا مرکزی آلہ اور تمام فعلیت کی تحریک کا ذمہ دار تسلیم کیا جاتا ہو، لیکن اس مین دماغ کو ارادے کا محض آلہ مانا جاتا ہے، یہین سے جبر و اختیار کا مسئلہ شروع ہوتا ہے، طبیعی اور نفسی طبیعی توجیہات حرکت اور دماغی حالت کی حد تک متفق ہین، اختلاف ان دونون مین یہ ہے، کہ کیا یہ دماغی حالت کسی اور ماقبل دماغی حالت کی معلول ہے، یا کسی ایسی چیز کی معلول ہو، جو دماغی حالت نہین، (اگرچہ ہو سکتا ہے کہ اس کے متوازی کوئی دماغی حالت ہو) یعنی ارادہ یا فیصلہ؟

یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلے کا جبری حل طبیعی تحلیل کے مطابق ہوتا ہے، کسی فعل کو جبری اسی وقت کہا جائے گا، جب اس سے قبل کوئی ایسی حالت ہو، جس کے معلوم ہو جانے کے بعد اس فعل کی پیشین گوئی کیجا سکے، جبر کے یہ کم از کم وہ معنے ہین، جن مین لاپلیس نے دنیا کو مجبور فرض کیا ہے، اگر فعل، دماغی حالت اس سے پہلے کی دماغی حالت وغیرہ، سب کی سب معین جسمانی حالتیں ہین، تو علی سلسلہ بالکل ظاہر و باہر ہے، لاپلیس کی طرح جبر کا قائل بھی کہہ سکے گا، کہ اگر کوئی کافی عقل رکھنے والا شخص کسی فرد کے دماغ کے ہر ذرّے کی حالت سے واقف ہے تو وہ اس فرد کے آیندہ کردار کی پیشینگوئی کر سکتا ہے، جبر کی اس قسم مین ذہن یا ارادے کا کوئی ذکر نہین ہوتا، ایسے جبر کو بالعموم مادی یا مابعد مظہری[1] کہتے ہین،

لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ نفسی طبیعی تحلیل بھی جبریت پر ختم ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ ضروری نہین کہ جبریت مادی ہی ہو، اگر فعل سے دماغی حالت، اور دماغی حالت سے اس دماغی حالت کی علت

[1] Epiphenomenaltic & Psycho-phyc

کی طرف پیچھے ہٹنے مین کسی جگہ بھی ارادہ بحیثیت علّی عنصر کے، داخل ہو جائے، تو جبریت سے دستکشی ہو جانے کی کوئی وجہ نہین، ضرورت صرف اس بات کی ہو کہ ارادے کو، بحیثیت ایک ماقبلی حالت کے، تسلیم کر لیا جائے، کہ اس کے علم سے بھی فعل کی پیشین گوئی ممکن ہے، اگر ذہنی حالتین کا رکن ہوتی ہین تو لاپیس کا مفروضہ شخص اس علم کی بنا پر فعل کی پیشین گوئی اتنی ہی صحت کیساتھ کر سکتا ہے، جتنی کہ وہ دماغی حالتون کے علم کی بنا پر کر سکتا ہے،

لیکن کسی وجہ سے اس قسم کی جبریت، مادی جبریت کے مقابلے مین بہت زیادہ مکروہ معلوم نہین ہوتی، واقعہ یہ ہے کہ نفسی طبیعی جبریت، جبریتِ ذات[۵] مین تحویل ہو جاتی ہے، اور یہی عام طور پر آزادی کے معنے لئے جاتے ہین، اگر خود ارادہ کسی ماقبلی ذہنی حالت کا نتیجہ ہے، اور یہ ذہنی حالت کسی اور ماقبلی ذہنی حالت کا وغیرہ، تو حقیقت مین اس کا مطلب صرف اس قدر ہے، کہ اس فرد کی شخصیت یا ذات، بہ تدریج تشکل پذیر ہو رہی ہے، مجھے اس افتراض پر کوئی اعتراض نہین، کہ میرا ارادہ ان بہت سے عناصر سے معین ہوا ہے، جن کو محرکات، دلائل، خواہشات، گذشتہ تجربات وغیرہ کہتے ہین، بلکہ میرا تو اصرار ہے، کہ میرا ارادہ بالکل ان ہی عناصر کی تحقیق کا نتیجہ ہے، لیکن محرکات، دلائل وغیرہ کا یہ محاکمہ فیصلہ کرنے کے فعل کے سوا اور کچھ نہین، میرا فیصلہ ان عناصر سے آزاد نہین، یہ ان عناصر کے متوازی کل کے ہم معنی ہے، لہذا جب مین کہتا ہون، کہ میرا فیصلہ کسی ماقبلی ذہنی حالت سے معین ہوا ہے، تو میرا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خود مین نے اس فیصلے کو معین کیا ہی، کیونکہ کسی لمحہ کے "مین" سے میری مراد، اس لمحہ کی محض ذہنی حالت سے ہوتی ہے، جس مین ظاہر ہے، کہ گذشتہ ذہنی حالتون کے تمام اثرات شامل ہوتے ہین، لیکن خود اپنی ذات کے احکام کے مطابق عمل کرنا مجبور ہونا نہین، بلکہ فی اور آزاد ہونا ہے، جبریتِ ذات ہی آزادی ہے،

---

۵ Self-Determinism

لہذا بہ ظاہر کردار کی نفسی اور طبیعی تحلیلات مین صرف دو فرق ہین، (۱) موخر الذکر نظریہ مین اس بات کی گنجایش ہو کہ ایک طبیعی حالت کسی ایسی حالت سے پیدا ہو، جو طبیعی نہین، بلکہ ذہنی ہے، (۲) موخر الذکر نظریے کے مطابق ایک ذہنی حالت صرف ایسی حالت سے پیدا ہو سکتی ہے، جو طبیعی نہین بلکہ ذہنی ہے، مقدم الذکر نظریے کے لحاظ سے یہ دونون باتین صحیح نہین، لیکن دونون نظریے علّی ہین کیونکہ دونون کا دعوی ہے، کہ آخری حرکت گذشتہ واقعات کا نتیجہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ دونون نظریے دعوی کرتے ہین، کہ حرکت ایک دماغی واقعہ کا فوری نتیجہ ہے، فرق صرف اس وقت پڑتا ہے جب اس تحلیل کو اور پیچھے کی طرف لیجایا جاتا ہے، اب سوال یہ ہو کہ اس دماغی حالت کو کیا کیا جائے جو حرکت کی قریبی علّت ہو، ؟ کیا یہ صرف کسی گذشتہ دماغی حالت سے پیدا ہوتی ہے، ؟ اگر جواب اثبات مین ہو، تو فرد کا فعل طبیعی علّی سلسلے کا حصہ ہے، لہذا مجبور ہے، کیا یہ دماغی حالت صرف کسی گذشتہ ذہنی حالت کا نتیجہ ہے، ؟ اگر اس کا جواب اثبات مین ہے، تو فرد ایک ایسے علّی سلسلے کا حصہ ہے، جو بہ لحاظ نوعیت خالصتہً طبیعی نہین اور فرد کو آزاد اور مختار کہنے کے ایک معنی یہ بھی ہین، وہ ان معنون مین آزاد ہے، کہ اس کا کردار اس کے فیصلون سے پیدا ہوتا ہے، ان ہی معنون مین وہ فرد اپنے ارادہ کے مطابق عمل کرنے مین مختار ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ جو کچھ ارادہ وہ کرتا ہے، کیا وہ یہ ارادہ کرنے مین آزاد ہے، ؟ یعنی یہ کہ کیا فرد کا نفس ارادہ ایک علّی سلسلے کا حصہ ہے؟ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہین، اس واقعے سے کہ ارادہ گذشتہ واقعات سے پیدا ہوتا ہے، فرد کی آزادی سلب نہین ہو جاتی، بہ شرطیکہ علّی سلسلے کی ہر کڑی صرف ذہنی حالت ہو، لہذا آزادی کے تخیل کا مزید مطالبہ یہ ہو کہ ارادہ کسی مقام پر بھی کسی دماغی حالت کا فوری اور قریبی یا بالواسطہ نتیجہ نہ ہو، علّی فعل صرف ایک سمت مین ہو سکتا ہے یعنی ذہنی حالت کے جسمانی یا طبیعی حالت کی طرف، نہ کہ بالعکس، آزادی کے نظریے کے ان دونون مطالبون کو ان الفاظ مین بیان کیا جا سکتا ہے: کوئی قانون ایسا نہین جس کے مطابق

ارادی حالت کسی ماقبل طبیعی حالت کا نتیجہ ہو، لیکن ایسے قوانین موجود ہیں، جن کے مطابق طبیعی حالتین ارادی حالتون کا نتیجہ ہوتی ہین،

یہ امر مشتبہ ہو کہ جبر و اختیار کے مسئلہ کی یہ تحلیل اس مسئلہ کے آخری حل کیلئے مفید ہو، زمانۂ حال کا فلسفہ اور نفسیات دونون کو یقین ہے کہ "ذہن" اور "جسم" کی اصطلاحات کا استعمال خطرہ سے خالی نہین، لہذا یہ دونون تابہ حدِ امکان ان کو استعمال کرنے سے گریز کرتے ہین، لیکن جن مصنفین کے خیالات پر آیندہ اوراق مین بحث ہونے والی ہے، وہ ان اصطلاحات کو برابر استعمال کرتے ہین، اسی وجہ سے ہم نے بھی ان الفاظ، اور ان سے پیدا ہونے والی تقسیم بالشفاع کو جائز رکھا ہے، جو تحلیل کہ یہان کی جائے گی، اس کو محض ڈھانچا سمجھنا چاہیے، جس سے کہ انسانی آزادی کے مسئلے پر ہم عصر مصنفین کے خیالات واضح ہون گے،

(باقی)

نفسیات ترغیب

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کے لئے ہم کیونکر آمادہ کر سکتے ہین، اور اس کو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین، اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین ان ہی اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے،

ضخامت ۲۱۱ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مقالۂ روسو

جس مین فرانس کے مشہور قلمی انقلابی ہیرو روسو نے علوم و فنون کے افادی اثرات و نتائج کی تنقید کی ہے، یہ کتاب ان کتابون مین سے ہے، جنھون نے انقلاب فرانس کا مواد بہم پہنچایا ہے، قیمت ۸

"مینجر"

رسالۂ پیری

دو ہزار برس کی پرانی لاطینی کتاب

مصنفہ

مارکوس طلیلوس کیکرون سیسرو

از ڈاکٹر محمد حفیظ سید ام اے پی ایچ ڈی ڈی لٹ پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی

اگر ہم بھی مثل انگریزون کے اس وقت برسرِ اقتدار ہوتے اور ہمارے علمی و ادبی کارنامون کو محفوظ رکھنے کے لئے لندن کے برطانوی عجائب خانے کی طرح کا ایک مسلم عجائب خانہ ہوتا، اور اسکی فہرست بھی مرتب ہوتی، تو ہمین دیکھ کر تعجب ہوتا، اور یہ کچھ کم فخر کا باعث نہ ہوتا، کہ ہمارے اسلاف نے ہم سے پہلے اردو زبان اور ادب کی کون کونسی خدمتیں انجام دی تھیں، اور اس کے حدود کو وسیع کرنے میں کیا کیا کوششین کی تھیں، گو ہر زمانے میں علم دوست اصحاب کی تعداد کم رہی ہے، مگر ہماری انجمن ان شمعون سے کبھی خالی نہیں رہی، مجھے عرصہ سے اردو کی کتابون کے جمع کرنے اور مطالعہ کرنے کا شوق ہے، میرے کتب خانے میں بعض بعض نایاب چیزین موجود ہیں، ان میں سے بعض تراجم ہین، جو یوروپی زبانون سے اردو مین منتقل کئے گئے تھے، منجملہ ان کے چند ایسی بھی کتابین ہین، جو زندہ رہنے اور رکھنے کے قابل ہیں، مگر ہماری بے اعتنائی اور کم توجہی کے سبب دو ناپید ہوتی جاتی ہین، جہان کہین یہ نسخے ملتے بھی ہین، تو وہ ایسے لوگون کے قبضہ مین ہین،

جو نہ ان کی قدر کرتے ہیں، نہ کرنا جانتے ہیں، اور نہ دوسروں کو اُن سے مستفید ہونے دیتے ہیں اگر یہ بیش قیمت کارنامے محفوظ کئے جائیں، تو اردو زبان کی گران بہا خدمت ہوگی، متمدن دنیا کا کوئی ایسا ملک نہ ہوگا، جہان لاطینی اور یونانی زبان کے مشہور و معروف مصنفین کی کتابون کا ترجمہ نہ کیا گیا ہو، یونانی فلسفہ کی چند کتابین یونانی سے انگریزی اور پھر انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی گئی ہیں، ترجمہ در ترجمہ ہونے سے اکثر مطلب خبط ہو جاتا ہے،

آج سے چالیس برس پہلے مولوی حاجی سید محمد حیدر صاحب مترجم ہائی کورٹ سرکار نظام نے بہت احتیاط اور قابلیت کے ساتھ براہ راست لاطینی زبان سے مشہور آفاق لاطینی مصنف اور مقرر سیسرو کے ایک رسالہ کو "رسالۂ پیری" کے نام سے اردو میں منتقل کر کے مفید الاسلام پریس حیدرآباد دکن میں چھپوا کر شائع کیا تھا، جہان تک ہمین معلوم ہے، یہ اپنی قسم کا پہلا کام ہے، مترجم نے صرف ایک صفحے کا دیباچہ سپرد قلم کیا ہے، سیسرو کے حالات اور اسکے علمی کارنامون سے ہمیں روشناس نہیں کیا ہے، اس لئے ہم سب سے پہلے سیسرو کی مختصر سوانح حیات اور اسکی تصانیف کا مجملاً ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں،

مارکوس طلیوس سیسرو ایک مشہور مقرر اور ماہر سیاسیات تھا، جو ۳ر جنوری ۱۰۶ ق م کو مقام آرپی نم میں پیدا ہوا، اس کی ماں اعلیٰ خاندان کی ایک معزز عورت تھی، اور باپ بھی نہایت باا‌ثر اور دولت مند آدمی تھا، اس کا بچپنا کچھ تو آرپی نم میں اور کچھ روم میں گذرا، آرپی اوس "شاعر" اور لذتیہ مسلک کے فلسفی "فی دروس" کا اس پر بہت کچھ اثر پڑا، دیودونس سے اس نے علم منطق کی تعلیم حاصل کی، اور ۸۷ ق م میں یہ فیلو کا شاگرد ہو گیا، مالو نے اسے فن تقریر سکھایا تھا، اور قانون وغیرہ کی تعلیم بھی اس نے اس زمانے کے مشاہیر سے حاصل کی تھی، اس کا خاص مشغلہ اس زمانہ میں نظم کہنا، اور یونانی مصنفین کی کتابوں کا ترجمہ کرنا تھا، رومی دستور کے مطابق

سیسرو نے فوجی تعلیم بھی پائی تھی، اور سترہ برس کی عمر میں پہلے تو استرابو اور پھر سُلّا کے زیر کمان جنگ میں بھی شریک ہوا تھا،

۸۱ ق م سے جب کہ اسکی عمر صرف پچیس سال کی تھی، اس نے سیاسیات میں بھی حصہ لینا شروع کیا، اس وقت تک اُس زمانہ کی اسکی صرف ایک تقریر دستیاب ہوئی ہے، جو ایک قانونی نکتہ کے متعلق ہے، اور ادبی حیثیت سے اُسے کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں، دوسرے سال اُس نے سکستوس روزیوس کے مقدمہ میں جو کہ قتل کے الزام میں ماخوذ تھا، پیروی کرتے ہوئے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی، جو آج تک مشہور ہے،

کچھ عرصے بعد سیسرو تفریح اور تبدیل آب و ہوا کی غرض سے روم سے باہر چلا گیا، اور دو سال تک برابر مشرقی ملکوں کا سفر کرتا رہا، اتھنز آ کر اس نے اس زمانہ کے مشہور حکماء سے فلسفہ بھی پڑھا، پھر مزید تعلیم کی غرض سے اوس نے ایشیا اور رودس جا کر وہاں کے سر برآوردہ علما کی شاگردی اختیار کی، فن تقریر کی خصوصیات، روم میں عام طور پر ایشیائی مبالغہ آمیزی، تکلف، تصنع اور لفظی باریکیاں مانی جاتی ہیں، مگر رودس میں مالو نے اس طرز تقریر پر سیسرو کو ملامت کی جس کی وجہ سے سیسرو نے ایک نرالے انداز میں تقریر کرنی شروع کی جو بہت مقبول ہوئی،

۷۷ ق م میں سیسرو پھر روما واپس آیا، یہان ترنشیا سے اسکی شادی ہوگئی یہ نہایت بدمزاج، ترش رو، اور مالدار عورت تھی، اس شادی کے بعد ہی سے اسکی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے، ۷۵ ق م میں سیسرو کوایسٹر مقرر ہوا، جس کے ذمہ غلہ کی درآمد کی نگرانی کا کام تھا، اسی سلسلہ میں وہ سسلی لی لی بی ام "بھیجا گیا، ۷۰ ق م میں اس گیُ اُس "وزیر" کے خلاف ایک مقدمہ قائم ہوا، جس میں سیسرو نے قانونی بحث کی، اس زمانہ کا دستور تھا، کہ قانون دان لوگ کسی مشہور آدمی کے مقدمہ کی پیروی کر کے شہرت حاصل کیا کرتے تھے، صرف اسی خیال سے سیسرو نے اس مقدمہ میں حصہ

لیا تھا، اس کے دوسرے سال سیسرو نے "مارکوس فونیتوس" کے مقدمہ کی پیروی میں بھی اسی قسم کے دلائل پیش کئے، جو گئی اس" وزیر کے مقدمہ کی کامیابی کا باعث ہوئے تھے،

۶۶ ق م میں سیسرو پریٹر ہوگیا، اور کونسلیت کے لئے بھی کوشش کرتا رہا، آخر کار ۶۴ ق م میں اس کے باپ کا انتقال ہوگیا، اسی سال اس کے ایک لڑکا "مارکوس" پیدا ہوا، اور رومی امراء نے اسے کانسل منتخب کرکے کونسلیت کے منصب پر فائز کر دیا،

سیسرو کی کونسلیت کا زمانہ (۶۳ ق م) ایک حیرت انگیز مصروفیت میں گزرا۔ اس عرصہ میں اس نے کئی معرکۃ الآراء تقریریں کیں، مگر چونکہ روما کے امراء اس سے حسد رکھتے تھے، اسلئے اسکو وطن چھوڑنا پڑا، اور وہ مارچ ۵۸ ق م میں "تھیسالونیکا" پہونچا، پھر وہاں سے "ڈرہاچی ام" چلا گیا، یہاں اُس نے سخت تکلیفوں اور مصیبتوں مین اپنی زندگی بسر کی، اور ہمیشہ دوبارہ روما واپس جانے کیلئے موقع کا منتظر رہا،

چنانچہ اگست ۵۷ ق م میں اُسے روما آنے کی اجازت مل گئی، روما میں امراء کے سوا تمام لوگوں نے نہایت جوش اور مسرت سے اس کا خیر مقدم کیا، اتفاقاً اسی زمانے میں سیزر اور پومپی کے درمیان آپس میں کچھ کشیدگی پیدا ہوگئی، سیسرو نے بھی سیزر کی مخالفت میں حصہ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اسے دوبارہ جلاوطنی کا اندیشہ پیدا ہوگیا، آخر کار سیزر کو غلبہ حاصل ہوا، اور سیسرو نے ملکی اور سیاسی معاملات سے بے توجہی اختیار کرکے اپنی طبیعت کو تصنیف کی طرف کلیتہً مائل کرلیا، اس نے ۵۵ ق م میں ایک کتاب "دارے تور" (یعنی مقرر) (De oratore) پھر دی ری پبلک (یعنی جمہوریت) (De Republlie.) اور پھر ۵۳ ق م میں دوسری کتاب "دی لی گی بوس" (De legebus.) لکھی،

۵۲ ق م کے آخر میں سیسرو سالیشیا کا گورنر مقرر ہوا، اگرچہ روما کا چھوڑنا اس کے لئے سخت مصیبت کا سامنا تھا، مگر مجبوراً اُسے سالیشیا جانا پڑا، وہاں اُس نے اپنی گورنری کے زمانہ میں ایک سخت

بغاوت فرو کرکے پہاڑی قوموں کے خلاف جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کی، سینٹ نے اس کامیابی کی خوشی میں جشن کے لئے ایک دن مقرر کیا جس میں سیسرو کی آیندہ ترقی اور کامیابی کے لئے دعائیں مانگی گئیں، ۵۰ ق م میں روما واپس آنے کا سیسرو کو پھر موقع ملا، اس زمانے میں پومپی اور سیزر کے درمیان جنگ شروع ہوگئی تھی، سیسرو نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ پومپی کا ساتھ دیگا،

سیزر کے عہد حکومت میں سیسرو نے خاموشی اختیار کرلی تھی، اسی زمانے میں اُسے کچھ خانگی معاملات کی پریشانیوں میں بھی مبتلا رہنا پڑتا تھا، یہی وجہ ہے، کہ اُس نے اس تمام مدت میں صرف تین تقریرین کین، ۴۶ ق م میں سیسرو نے ترنشیا کو طلاق دے دی، اور پوبلیا نامی ایک دوسری عورت سے شادی کی لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے اس سے بھی قطع تعلق کر لیا، اسی زمانے مین اس کی پیاری بیٹی تُلیا کا انتقال ہوگیا جس سے اسکو بے حد محبت تھی، اس کی موت کا اُسے سخت صدمہ ہوا، اور اپنا رنج وغم غلط کرنے کے خیال سے پھر وہ تصنیف کی طرف مائل ہوا، اس زمانے مین اس نے فلسفہ کی کئی ایک نفیس کتابیں لکھیں، جو نہایت مشہور ہیں، اور بلند پایہ خیال کیجاتی ہیں، مثلاً بروتوس اورے تر (Brutus oratar) پارتی تیون نس اورے ترِیا (Partilion, oratore) پارادوکسی کا اکادیمی کا (Paradoxica) (academica-)، ڈی فونی بوس (De Phonebus.) ٹس کیو نی ان ڈسپیوٹیشن (Tuscunian Disputation.) وغیرہ وغیرہ،

۱۵ مارچ ۴۴ ق م کو سیزر قتل کر دیا گیا، سیسرو نے اس سازش میں کوئی حصہ نہ لیا، اس حادثہ کے دو دن بعد، ۱۷ مارچ کو سیسرو نے ایک زبردست تقریر کی، اور پھر تصنیف میں مشغول ہوگیا، اس کے بعد قلیل ہی عرصہ میں اس نے ڈی نیچرا ڈیورم (De Natur duru m) ڈی ڈی وی نیشن (De devenatione) ڈی فاٹو (De Faio) کیٹو میجر

(Cato major) (یعنی رسالۂ پیری) اور لی اس (Laelius) وغیرہ کئی اور کتابیں
لکھیں، پھر یونان چلا گیا، یونان واپس جانے پر مارکوس انتونی نے اس پر سخت اعتراضات کیے، سیسرو
نے ان اعتراضات اور الزامات کا جواب اپنی ایک زبردست تقریر میں دیا، پھر اس نے ایک دوسری
تقریر بھی لکھ کر تیار کرلی، لیکن چونکہ انتونی روما سے چلا گیا تھا، اس لئے یہ تقریر نجی طور پر صرف مخصوص
لوگوں کو پڑھنے کے لئے دی گئی، اور عام طور پر مشتہر نہ کیجا سکی،

اس کے بعد سیسرو اوکٹ ویان کی امداد پر متوجہ ہوا، اور اس نے جمہوری جماعت کی لیڈری
اختیار کرلی، اور یہ تجویز پیش کی، کہ جب تک نئے سردار نہ مقرر کئے جاسکیں اس وقت تک اوکٹاویان
کے ذریعے فوج کو قابو میں رکھا جائے، اس نے ملکی گورنروں اور فوجی سپہ سالاروں کو بھی ایک گرد ہیں
پر لانے کی بے حد کوشش کی، لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوا، مارکوس انتونی اور اوکٹاویان
نے ایک زبردست سازش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے سربرآوردہ لوگ مار ڈالے گئے، سیسرو
بھی اسی سازش کا شکار ہوا، پہلے تو اس نے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن ہوا کے مخالف ہونے
کی وجہ سے جہاز نہ چل سکا، اور وہ یہ کہتا ہوا خشکی پر واپس آیا، کہ مجھے اسی ملک میں مرنے دو جسے خود
میں نے بارہا خطروں سے بچایا ہے "،

سیسرو، دسمبر ۴۳ھ ق م کو فورمیا میں قتل کر دیا گیا، اس کا سر اور داہنا ہاتھ کاٹ کر روما
بھیج دیا گیا، روما میں انتونی کی بیوی فلاویا نے سیسرو کی زبان میں سوئیاں چبھوئیں، اور سر کو شارع
عام پر لٹکوا دیا، یہ انتونی کے خلاف تقریر کرنے کا انتقام تھا،

مترجم نے دیباچے میں اس ترجمے کی اہمیت اور نوعیت پر مندرجہ ذیل الفاظ میں روشنی
ڈالی ہے:۔

" اللہ کا شکر محمد اور آل محمد پر درود کہ میں نے اس رسالہ کو اصل لاطینی سے ترجمہ کیا، جو اگلی

(روم) کی زبان تھی، اور جس کو اب چھوٹی بہن یونانی کی، اور مان (یورپ) کی سب زبانون
کی کہنا چاہئے، تصنیف (مارکوس ظلیوس کیکرون، انگریزی سیسرو (Cicero)
جو بہت بڑا ادیب تھا، اور جس کا اس قدر شہرہ (یورپ) مین ہو ناجب اسکی تصنیفات کا مطالعہ
کیا جاوے بجا معلوم ہوتا ہے،

بعد زمان عباسیہ کے شاید کوئی اور کتاب مسلمانون کے لئے قدیم زبانون سے نقل ہوئی ہو
مگر باعتبار اردو کے تو دنیا مین یہ پہلی کتاب ہے، جو لاطینی سے بلا واسطہ ترجمہ ہوئی، اور
جس کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ دو ہزار برس مین انسانی خیالات نے کیا ترقی کی
شاید لوگ عیب نکالین کہ صاف اردو کیون نہین ہے، مگر مین اصل کا ڈھنگ
حتی الامکان باقی رکھنا ہنر سمجھتا ہون، اور داد اُس قدر شناس سے مانگتا ہون جو کوئی
ہوئے کہ اسکو اصل سے ملائے اور دیکھے کہ (سیسرو) کو لکھنؤ کے اہل علم کی زبان مین دو ہزار برس
بعد پھر زندہ کیا ہے "۔

"رسالۂ پیری" کے ابواب مترجم کے الفاظ مین یہ ہین:۔

" یہ رسالہ بیان مین پیری کے ہے، اُس کی خوبیون کو ظاہر کرتا ہے، اور اُس کی بُرائیون
کو دفع کرتا ہے، چار سببون سے بڑھاپا بُرا سمجھا جاتا ہے، جن مین سے پہلا یہ ہے، کہ کام کرنے سے باز
رکھتا ہے، دوسرا یہ کہ بدن کو ضعیف کرتا ہے، تیسرا یہ کہ عیش و عشرت سے گویا بالکل خالی
ہوتا ہے، چوتھا یہ کہ موت سے بہت دور نہین ہوتا ہے،
ان سب الزامات کو یہ بات دفع کرتی ہے کہ بعضے تو ان مین سے کچھ پیری سے مخصوص
نہین ہین، اور بعضون کے سبب سے بڑھاپا بُرا نہین ہوتا،
یہ تقریر (کاطون) کی طرف منسوب ہے، جو بڈھا اور اپنے زمانے مین نہایت با اقتدار اور

نہایت صاحبِ شان تھا، اور چونکہ اُس نے حالتِ پیری مین زبان و فنون یونانی سیکھے تھے، لہذا اُس کی تقریر اس رسالہ مین اور کتابون سے زیادہ عالمانہ ہے، از راہِ تصنع یہ تقریر سنہ ۶۰۴ رومی زمانہ حکومت (قنلطیوس و بالبوس) مین واقع ہوئی، مگر حقیقت مین یہ رسالہ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ سنہ ۷۱۰ رومی مین لکھا گیا، اور اطیکوس بڈھے کے پاس بھیجا گیا، جو اُس زمانہ مین دربارِ دولتِ جمہوریہ نہایت متفکر تھا، اور یہ شخص (لگرون) سے تین برس بڑا تھا اور اُس زمانہ مین اُس کا سن چھیاسٹھ برس کا تھا"

اب ہم رسالہ پیری کے چند اقوال اپنے الفاظ مین درج کرتے ہیں، تاکہ ناظرین اصل کتاب کے محاسن کا کچھ اندازہ کر سکین:-

چھٹی فصل کے سترھوین حصے کا یہ قول آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، (ص ۱۲) سیسرو کہتا ہے، بڑے بڑے کام محض بدن کی قوت یا سُرعت سے نہیں کئے جاتے بلکہ رائے تدبیر اور شعور کی مدد سے انجام پاتے ہین، یہ ذہنی قوت ضعیفی مین بجائے کم ہونے کے اور زیادہ ہو جاتی ہے، اس لئے ہم بڑھاپے کو بُرا نہین کہہ سکتے،

اسی فصل کے بیسوین حصے مین لکھا ہے، (ص ۱۳) کہ نوجوانی کا خاصہ بے باکی ہے، اور بڑھاپے کا حزم و ہوشیاری،

ساتوین فصل کے شروع مین (ص ۱۴) اس اعتراض کا جواب دیا ہے، کہ ضعیفی مین قوتِ حافظہ کم ہو جاتی ہے، سیسرو کہتا ہے، کہ خاص خاص حالتون کے سوا جن مین طبعًا انسان کا حافظہ ضعیف ہو اگر قوتِ حافظہ کا استعمال برابر کیا جائے، اور اس سے باقاعدہ کام لیا جائے تو وہ ضعیفی مین بھی زائل نہین ہو سکتی، اس کے الفاظ یہ ہین:-

ف۱ یعنی ۴۴ سنہ قبل مسیح ۱۲ مترجم۔

"حقیقۃً تو نے کسی بڈھے کو نہ سُنا ہوگا، کہ جس مقام پر اس نے دفینہ کیا ہو، اس کو وہ بھول جائے، جن چیزون کی اس کو فکر رہتی ہے، اُن سب کو وہ یاد رکھتے ہین"

آخر مین وہ کہتا ہے، کہ "بڈھون مین ذہن و ذکا باقی رہتا ہے، بہ شرطیکہ استعمال و سعی باقی رہے، یہ صفت امیرون اور رئیسون پر موقوف نہین، بلکہ غریب غربا مین بھی پائی جاتی ہے، مثال مین سوفوکلیس کو پیش کرتا ہے، جس نے کبرسنی تک قصے تصنیف کئے،

دسوین فصل کے آخری الفاظ یہ ہین، (ص ۲۲) ورزش و اعتدال سے کچھ اصلی قوت بڑھاپے مین بھی باقی رہ سکتی ہے،"

گیارہوین فصل (ص ۲۲-۲۴) کا خلاصہ یہ ہے کہ "تقویت نہ صرف بدن کی کرنی چاہیئے، بلکہ زیادہ تر ذہن کی اور روح کی، اس واسطے کہ بدن کام مین لانے سے سُست اور روح کام مین آنے سے چُست اور ہلکی ہو جاتی ہے"

اسی فصل کے اڑتیسوین حصے مین لکھا ہے، (ص ۲۴-۲۵) کہ اس شخص کا بڑھاپا قابلِ قدر ہوتا ہے، جو اپنے کو ہر طرح کی مکروہات اور ترغیبات سے بچاتا ہے، اور خاص اصولِ زندگی کا پابند ہو کر کسی شخص کا بندہ نہین بن جاتا،

بارہوین فصل مین (ص ۲۶) اس اعتراض کا جواب درج ہے، کہ بڑھاپا خوشی سے خالی ہوتا ہے، "لذتِ جسمانی سے بڑی کوئی مصیبت انسان کو فطرت سے نہین ملی، جس کی تحصیل پر حرص و ہوا جوش و خروش سے برافروختہ ہوتی ہے"

بائیسوین فصل (ص ۵۱) کی ابتدا کا ماحصل یہ ہے:-

سیسرو کہتا ہے کہ مین ہرگز اس کا قائل نہین ہو سکتا، کہ ارواح جب زندان فانی مین ہون زندہ ہون، اور جب ان سے نکل جاوین تو مر جاوین یا مردہ سمجھی جاوین۔ روح جب جسم کے کل

شوائب سے پاک ہو گی، تو صاف اور کامل سمجھی جائیگی، جب موت سے انسان کی ذات منحل ہو جاتی ہی، تو اس پر اشیاء عالم کا حال منکشف ہو جاتا ہی، روح قائم بالذات ہی موت کے مشابہ صرف نیند ہی، نیند کی حالت مین ارواح عالم ملکوت کی سیر کرتی ہین، اور چونکہ ناسوتی علائق سے تھوڑی دیر کیلئے مُبرا ہو جاتی ہین، اسلئے عالم بالا کی ہر شے کا انھین علم ہو جاتا ہی؛

تیئیسوین فصل (ص ۵۲-۵۵) پر یہ رسالہ ختم ہو جاتا ہی، اسلئے آخری شق کے الفاظ کے مطالعہ سے زیر بحث نوعیت کا بھی اندازہ ہوتا ہی (ص ۵۴-۵۵):-

"ان امور سے اے (اسکیپیون) بڑھاپا مجھے ہلکا (جس پر تونے اپنا اتنا اور (لیلیوس) کا تعجب کیا کرنا بیان کیا ہی) بلکہ غیر موذی اور خوش آیند معلوم ہوتا ہی، اگر مین غلطی اس اعتقاد مین کرتا ہون کہ ارواح انسانی غیر فانی ہین تو یہ غلطی میرے لئے جائز ہی، اور مین نہین چاہتا ہون کہ جس غلطی سے مین جب تک جیتا ہون خوش ہون مجھ سے نکالی جاوے، لیکن اگر فانی ہون جیسا کہ بعضے چھوٹے فلسفی اعتقاد کرتے ہین، تو مجھ کو حس بھی نہ ہوگی اور نہ مین خوف کرون گا، کہ مرے ہوئے فلسفی میری اس غلطی پر ہنسین گے، اگر ہم غیر فانی نہ ہون گے تو انسان کو اپنے موقع پر نیست و نابود ہو جانا ہی مناسب ہے، اس واسطے کہ فطرت جہان اور سب چیزون کی وہان جینے کی بھی حد رکھتی ہی، بڑھاپے کا زمانہ جیسے قصہ مین مقطع کا بند ہی، جس مین چوک سے بچنا ہم کو واجب ہے، علی الخصوص جب کہ سیری بھی ہو جاوے، یہی ہی وہ جو مین چاہتا تھا، کہ در بارۂ پیری بیان کرون، جس تک مین دعا کرتا ہون، تم پہونچو اور جو مجھ سے سُنا ہی اسکی آزمائش تم خود کرو۔"

میرے خیال مین یہ کتاب اس قابل ہی کہ محفوظ رکھی جائے، اگر کوئی ادارہ یا مطبع اسکو دوبارہ شائع کرنا چاہے، تو مین اپنا نسخہ بطور عاریت دینے کیلئے تیار ہون،

فہرست کتابخانہ بانکی پور

استدراک

از مولینا مسعود عالم صاحب ندوی، کٹیلاگرادرنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ،

معارف، نومبر، باب التقریظ والانتقاد کے ضمن مین مشرقی کتاب خانہ کی مشروح فہرست کی بائیسوین جلد (مرتبہ مولوی عبد الحمید صاحب مرحوم) پر تفصیلی تبصرہ شائع ہوا ہے، جس کے لئے کتبخانہ اور اس کے کارکن شکر گذار ہین،

تبصرہ کے سلسلہ مین غنیۃ الحساب فی علم الحساب کے مصنف کے متعلق ذرا غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے، غلط فہمی کی بنیاد صاحب کشف الظنون کا بیان ہے، تفصیل عرض ہے،

زیر نظر کتاب کے مصنف کا پورا نام مع لقب سرورق پر الشیخ القاضی ابو العباس ......[1] علی بن ثبات قاضی العماعیۃ رحمہ اللہ علیہ، دیا گیا ہے، مصنف نے دیباچہ مین اپنے مختصر عمدۃ الرائض فی الحساب و مطول الحادی کا ذکر کیا ہے، کشف الظنون مین دونون مذکور ہین لیکن مصنف کے نام مین اختلاط ہو گیا ہے، ملاحظہ ہو:-

(۱) عُمدۃ الرائض وعُدّۃ الفارض فی الحساب للشیخ جمال الدین ابی العباس

---

[1] ابو العباس کے بعد ایک لفظ مٹا ہوا معلوم ہوتا ہے، باوجود کوشش کے صحیح اندازہ نہ ہو سکا، کشف الظنون کے بیان کی روشنی مین احمد بن پڑھنے کی گنجایش ہے،

احمد بن علی بن ثبات قاضی الھمامیۃ اولہ الخ" (جلد ۳ ص ۲۵۹، طبع فلوجل)

(۲) حاوی فی الحساب لشہاب الدین احمد بن الہائم (المصری القدسی المتوفی سنہ ۸۸۷ھ) ونظمہ احمد بن صدقۃ الصدیقی المتوفی ۵۰۵ھ[1]

کہنا یہ ہو کہ جمال الدین ابو العباس احمد بن علی بن ثبات اور احمد بن الہائم دو شخصیتین ہین، ابن الہائم المصری القدسی الفرضی صاحب تصانیف کثیرہ مشہور ہین، اور ان کے سال وفات سنہ ۸۱۵ھ مین کوئی اختلاف نہین، جیسا کہ تبصرہ نگار نے زور دیا ہو، اور مولوی عبد الحمید صاحب مرحوم نے بھی المسرع کے سلسلہ مین لکھا ہو، (ملاحظہ ہو فہرست مشروح جلد ۲۲ ص ۲۳ نمبر ۲۴۲) بروکلمن جلد ۲ ص ۱۲۵ ایضاً ضمیمہ جلد ۲ ص ۱۵۲ مین ان کی تصنیفات گنائی گئی ہین، لیکن الحاوی کے نام سے کوئی کتاب مذکور نہین،

ابن الہائم کے مقابلہ مین ابو العباس احمد بن علی بن ثبات کا ذکر بہت کم ملتا ہو، کشف الظنون نے ایک جگہ ذکر کیا ہو، لیکن سال وفات نہین دیا، (جلد ۳ ص ۲۵۹) بروکلمن نے اصل[2] مین صرف ذکر کیا ہو، وہ بھی ضمنی طور پر، رضی الدین محمد بن ابراھیم بن یوسف بن عبد الرحمن بن الحسن الحلبی الربعی التاذفی الحنفی القادری (متوفی سنہ ۹۷۱ھ) کے حالات مین جس نے غنیۃ الحساب کی شرح مخائل الملاحۃ فی مسائل المساحۃ لکھی تھی، (جلد ۲ ص ۳۶۸) ضمیمہ مین مستقل ذکر کیا گیا ہو لیکن مختصر اور مشکوک! ملاحظہ ہو، (جلد ۲ ص ۱۵۵) سال وفات دیا گیا ہے، لیکن ؟ کے ساتھ:-

"جمال الدین ابو العباس احمد بن ثابت قاضی الھمامیۃ متوفی ۷۶۲ھ/۱۳۶۱ء (؟)"

---

[1] احمد بن صدقہ کا سال وفات اس نسخہ مین ۵۰۵ دیا گیا ہو لیکن یہ غلط ہو جیسا کہ تبصرہ نگار نے لکھا ہو سنہ ۹۰۵ھ مین وہ موجود تھا، یہ ثابت ہو، سر دست مزید تجسس کی ضرورت نہین [2] اصل سے مراد کارل بروکلمن کی تاریخ ادب عربی کی پہلی دو جلدین ہین، جو سنہ ۱۸۹۸ء اور سنہ ۱۹۰۲ء مین شائع ہوئی تھین، اب اس قیمتی کتاب کا ضمیمہ مستشرق ممدوح نے دو ضخیم جلدون مین شائع کیا ہو، تیسری جلد کے اجزا بھی نکل رہے ہین، جو جدید عربی ادبیات کی تاریخ پر مشتمل ہوگی،

اصل اور ضمیمہ دونون مین بروکلمن نے نام احمد بن ثابت ہی دیا ہو،

نہ معلوم بروکلمن نے سال وفات سنہ ۷۶۲ھ کہان سے لیا ہو؟ لیکن اتنا متیقن ہو کہ مصنف کی وفات سنہ ۸۶۲ھ مخطوطہ کے سال کتابت سے پہلے ہو چکی تھی، کاتب کا خط اتنا صاف اور واضح ہو، کہ کسی طرح سبعمائۃ کو تسعمائۃ نہین کہا جا سکتا، یہ تاریخ کتابت سر ورق پر درج نہین، جیسا کہ مولوی عبد الحمید صاحب کی تحریر سے شبہہ ہوتا ہو، اور تبصرہ نگار نے لکھا ہو، بلکہ نسخہ کے ختم پر کاتب نے حسب دستور خاتمہ لکھا ہو، اور تاریخ الفاظ مین درج کی ہو، البتہ رحمۃ اللہ علیہ سر ورق پر اور ایک ہی کاتب کے قلم سے ہو، پورا خاتمہ درج ذیل کیا جاتا ہے،

فرغ من نسخة العبد المذنب المحتاج الى رحمة ربه المتعالى تاج بن حسن بن محمد الكوانى اصلح الله شأنه يوم الخميس من الشهر الحرام شوال لسنة ست وثمانين وسبعمائة وكان ذلك اليوم من العشر الاوسط من ذلك الشهر الخ

اس تفصیل و تشریح سے واضح ہوا کہ

(۱) ابن الہائم اور احمد بن علی بن ثبات دو شخصیتین ہین (۲) مولوی عبد الحمید صاحب ابن الہائم الفرضی متوفی ۸۱۵ھ کی الگ شخصیت تو ضرور سمجھے جیسا کہ ان کے المسرع والے نوٹ سے نمایان ہوتا ہو، لیکن غنیۃ الحساب کے ضمن مین کشف الظنون کے بیان سے انھین دھوکا ہوا، اور غلط در غلط یہ کہ انھون نے احمد بن صدقہ کی تاریخ وفات سنہ ۵۰۵ھ صحیح مان کر مصنف کے زمانہ کی تعیین کر دی (۳) تبصرہ نگار کو سارا اعتراض دونون کو ایک ماننے پر ہو، جب دونون کی مستقل حیثیت ثابت ہو تو پھر اعتراضات خود بخود دور ہو جاتے ہین، (۴) احمد بن علی بن ثبات کے سال وفات کے بارے مین اب تک کوئی یقینی ثبوت نہین ملا، سنہ ۷۸۶ھ سے پہلے ہونا ثابت ہو، سر دست بروکلمن کی درج کردہ تاریخ سنہ ۷۶۲ھ اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے

---

[1] فلوجل کے علاوہ ہمارے ہان کشف الظنون کا کوئی دوسرا نسخہ موجود نہین اسلئے بعد کی تصحیحات سے ہم فائدہ اٹھانے سے سر دست معذور ہین [2] کشف الظنون مین احمد بن صدقہ کا ذکر تین جگہ آیا ہو:- (۱) نخبۃ الفکر کے ذیل مین ابن الصیرفی احمد بن صدقۃ المتوفی سنہ ۹۰۵ھ (جلد ۶ ص ۳۱۶) (۲) ارشاد فی فروع الشافعیۃ کے تحت مین ابن احمد بن صدقۃ الصیرفی المصری المتوفی سنہ ۸۸۲ھ (جلد ۱ ص ۲۵۶) (۳) حاوی فی الحساب کے سلسلہ مین احمد بن صدقۃ الصدیقی المتوفی سنہ ۵۰۵ھ (جلد ۳ ص ۲۶۵) گویا یہان بھی حاجی خلیفہ کو غلط فہمی ہوئی،

تلخیص و تبصرہ

ہندو مسلمانون کے تمدنی تعلقات عہد مغلیہ مین

ڈاکٹر تاراچند (الہ آباد یونیورسٹی) نے گذشتہ دسمبر مین تاریخ ہند کی کانگریس میں جو کلکتہ مین ہوئی تھی، عہد مغلیہ کے شعبہ مین ایک پرمغز خطبہ صدارت پڑھا، اسکی تلخیص ذیل مین درج ہے،

مغلون کا عہد عمل و کردار کی اعلیٰ مثال، علم و ہنر کے نشو و نما اور غیر معمولی شخصیتون کی پیداوار کیلئے ممتاز ہے، مغل ہندوستان آئے، اور عمل و سرگرمی کی قوتین اپنے ساتھ لائے، ان کی بڑھتی ہوئی قوتون نے ہندوستان کے قدیم کلچر کے ساتھ مل کر بہت سی نئی شکلین پیدا کر دین، وسط ایشیا سے آنے والے مغلون اور ہندوستان کے قدیم باشندون نے ایک دوسرے کو متاثر کیا، اور دونون نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ مین ایک دوسرے کے اثرات کو قبول کرنا شروع کیا، اور وہ نہ صرف سیاست اور معاشرت مین بلکہ سائنس، فلسفہ، آرٹ، ادب اور مذہب مین بھی ایک دوسرے سے مستفیض ہوئے، مثلاً ریاضی مین ہندو اور مسلمان پہلے سے ایک دوسرے سے مستفید ہو رہے تھے، لیکن اسکی تکمیل مغلون کے عہد مین ہوئی، اس زمانہ مین مسلمانون نے ہندوؤن کے علم ریاضی سے بڑی دلچسپی لی، ہندوؤن نے بھی مسلمانون کے علم ریاضی سے غیر معمولی شوق کا اظہار کیا، فارسی مین سب سے پہلے سنسکرت سے بھسکاچاریہ کی سدھانت سرومانی ترجمہ ہوئی جس کے چار حصے ہین، لیلاوتی، بیج گنتا، گرہا گنتا، گولادھیایا، یہ چارون حصے فارسی زبان مین منتقل ہوئے، فیضی نے لیلاوتی اور عطاء اللہ رشیدی نے بیج گنتا کا ترجمہ

کیا، ایک نامعلوم مصنف کی تصنیف دستور العمل مین ہندوؤن کے علم ہیئت کا بیان ہے، زبدۃ القوانین مولفہ ہر سکھ رائے سہگل مین ہندوؤن کے علم ہندسہ کا ذکر ہے، میدنی مل نے بدائع الفنون کا ترجمہ کیا، جو لیلاوتی سے ماخوذ ہے، تنجیم، برہان الکفایت (مؤلف کے نام نامعلوم) انوار النجوم مولفہ نیول محمد انصاری، حکیم الریاضی مؤلفہ محمد زمان، رسالہ در علم نجوم اور جدول ستین بزرگ مؤلفہ محمد باقر یزدی ہندوؤن کے علم ہیئت و ریاضی پر کتابین ہین، رتن مل نے دو کتابین برہان الاختیارات در تعیین ساعت بطریق ہنود اور رسالۂ نجوم (مصنفہ عین الدین) ترجمہ کین، بہاء الدین آملی نے جس کی کتاب خلاصۃ الحساب اس زمانہ کے درس مین رائج تھی، ضرب کی جانچ کے لئے نو کا قاعدہ ہندوؤن ہی سے سیکھا، ہمایون جس کی قبل از وقت موت ہیئت ہی کے شوق کے سبب سے ہوئی، ہندوؤن کی فضا سے ایسا متاثر ہوا تھا، کہ وہ اپنے روزانہ دربار کے لباس کا رنگ ستارون کے رنگ کے مطابق رکھتا تھا، اکبر کے حکم سے حکیم فتح اللہ شیرازی نے سنسکرت مین زیچ مرزائی کا ترجمہ کیا،

سنسکرت اور ہندی مین بہت سے ایسے رسالے ہین، جن مین عربون کی ریاضی اور ہیئت کے اثرات ہین، ویبر نے ہندوستانی لٹریچر کی تاریخ مین بہت سی ایسی اصطلاحات دی ہین جنکو بعض ہندو نجومیون نے عربون سے مستعار لے لیا ہے، ہندوؤن کی ریاضی کی تاریخ مین دت اور سنگھ نے کپاٹ اور ساندھی کے طریقے (Gelosia method) کا حوالہ دیا ہے، جو سولہوین صدی مین لیلاوتی کی شرح گنتا منجری مؤلفہ گنیش مین پائے جاتے ہین، یہ طریقے ابن البنا (تیرہوین صدی) اور ابو زکریا الحصار کی تصانیف مین پائے جاتے ہین، علم ہیئت پر ایک اور کتاب جیوتر ودھابھارنا ہے، جس کے مصنف کا نام کالیداس ہے، اس سے دن کے سعد اور نحس ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس مین عربون کے اثرات نمایان ہین، سدھانت تتوا ویویکا مین مسلمانون کے علم ہیئت کا ذکر ہے، سنہ ۱۶۶۸ء مین راجہ دل چندر کے حکم سے بنارس مین متھراناتھ شکلا نے ہیئت پر ایک کتاب سدھانتا سار لکھی جس کا

مواد عربی ماخذون سے لیا گیا ہے، سنسکرت مین بہت سی کتابین ایسی ہین، جن مین انسان کی زندگی پر ستارون کے اثرات اور مختلف اوقات کی پیشینگوئیون کا بیان ہے، اور یہ زیادہ تر عربون کی تصانیف کی رہین منت ہین، علم ہیئت کے کارنامون مین سب سے ممتاز نام مرزا راجہ سوائی جے سنگھ کا ہے، جس کی سرپرستی مین عربی کا علم ہیئت سنسکرت مین منتقل ہوا، اس کے حکم سے پنڈت جگنا تھ نے عربی سے بطلیموس کی مجسطی اور سکھ ادیا دھیا نے اقلیدس کے علم ہندسہ کو سنسکرت مین ترجمہ کیا، اس سلسلہ مین نصیر الدین طوسی کی تصانیف بھی سنسکرت کے قالب مین لائی گئین، جے سنگھ نے جے پور، دہلی، متھرا اور اجین مین رصد خانے بنائے اور زیج محمد شاہی مرتب کی،

سنسکرت مین عربی اصطلاحات کی لغت بھی لکھی گئی، مثلاً پارسی جا تکم اور پارسی پرکاش ہو خرالذکر شاہجہان کی سرپرستی مین تیار ہوئی،

ہندی مین بھی نجوم، ہیئت اور ریاضی پر فارسی اور عربی کتابون کے طرز پر بہت سی تصانیف ہین، فتح سنگھ نے ماتا چندر لکھی، موہ رام کے ایک رسالہ سے سال کے مختلف واقعات کی پیشینگوئی کرنے مین مدد ملتی ہے، گن پرکاش نے ریاضی پر ایک کتاب تالیف کی، ہر پرشاد کے ایک رسالہ کا نام حساب ہے، اسی طرح اور بھی مثالین ہین،

علم طب مین بھی ہندو مسلمان ایک دوسرے سے مستفید ہوئے، سنسکرت سے فارسی مین کتابین ترجمہ ہوئین، مثلاً بوڈلین کے مخطوطات نمبر ۱۶۱۵ ملاحظہ ہون، حکیم احسان اللہ نے طب ہندی لکھی، بھوہ بن خواص خان نے معدن الشفا تالیف کی، جو ہندوستانی طب سے ماخوذ ہے، محمد قاسم فرشتہ کی دستور الاطبا بھی ہندی علم طب پر ہے، محمد مومن الحسینی کی کتاب تحفۃ المومنین مین ہندوؤن کے مندرجۂ ذیل رسالون کا حوالہ ہے، واگ بھتا مولفہ بھر، چرک مؤلفہ چرک مست، حک بھوجیو، ستو سرتا،

ہندی دواؤن کا ذکر اختیارات بدیعی مؤلفہ علی بن حسین الانصاری، انیس الاطبا، مؤلفہ نافع الصدیقی الجائسی اور بوستان افروز مؤلفہ عبد الفتح تمکین مین ہے، انسانی اعضا اور دواؤن کی تفصیل عربی اور ہندی دونون زبان مین اتیھپاد (؟) نے اپنی تالیف طب بحری اور بری مین بتائی ہے، جانورون کے علاج پر ابن سید ابو الحسین ہاشمی اور عبد اللہ خان نے فرس نامے لکھے، عبد اللہ ابن صفی نے سلی ہوترا لکھی، اسی طرح گجرنامہ اور فیل نامہ تالیف ہوئین،

فارسی اور عربی کی جو کتابین سنسکرت مین منتقل ہوئین، ان کے چند نام یہ ہین، حکمت پرکاش مؤلفہ مہادیو بھٹ لکشمن توسہاؤ (؟) از لکشمن ولد امر سنگھ، ٹوڈرانند رس رتناکر، از بہیر سید، ویدیا کا ازلقمان، قرابادین شفائی، طب، علاج، پارسی پرکاش، اور طب سکندری، مترجمہ ٹکا رام،

اس زمانہ مین بہت سی ایسی کتابین بھی لکھی گئین، جن مین ہندوؤن کے مختلف علوم و فنون کی تفصیلات تھین، مثلاً بھوپال ساستر جس کا ایک نسخہ اڈنبرا مین ہے، یہ کتاب فارسی مین ہے، گنگا بسن بستانی کول نے مجموعہ کے نام سے ہندوؤن کے خرافیات اور رسم و رواج پر ایک کتاب فارسی اور ہندو مین لکھی، مرزا خان بن فخر الدین محمد نے تحفۃ الہند مین ہندوؤن کے مختلف مسائل پر بحث کی ہے، دوسری تصانیف مثلاً شاہد صادق (مؤلفہ محمد صادق آزادانی) فرہنگ اورنگ شاہی (مؤلفہ ہدایت اللہ) مین ہندوستان کی معدنیات، نباتات اور حیوانات کا ذکر ہے،

مختلف علوم و فنون پر جو کتابین ہندوؤن اور مسلمانون مین عام طور سے رائج تھین، ان کے نام حسب ذیل ہین، جواہر العلوم ہمایونی از محمد فاضل سمرقندی، عقول عشرہ از محمد بارہ امی (شاہجہانی عہد) مجل الحکمت از امام مجریطی المغربی، دانش نامہ علائی از ابن سینا، جامع العلوم از فخر الدین رازی، درۃ التاج از قطب الدین محمود شیرازی، نفائس الفنون فی عرائس العیون، از محمد آملی،

ادب مین بھی ہندوؤن اور مسلمانون نے غیر معمولی ارتباط کا ثبوت دیا، مغل بادشاہون شہزادون

امرا اور پھر ہندو راجاؤن نے فارسی اور ہندی کی ایسی سرپرستی کی، کہ ہندوستان کے شعرا اور ادبا کی قدر دانی ضرب المثل ہو گئی تھی، اور ان کے لئے ہندوستان ایک جنتِ آرزو ہو گیا تھا، چنانچہ صائب کا ایک شعر ہے،

ہم چو عزم سفرِ ہند کہ در ہر دل ہست — رقص سودائے تو در ہیچ سری نیست کہ نیست

ابو طالب کلیم رقمطراز ہے :-

اسیرِ ہندم و زین رفتن بیجا پشیمانم — کجا خواہد رساندن پر فشانی مرغِ بسمل را

بایران می رود نالان کلیم از شوقِ ہمراہان — بپائے دیگران ہمچون جرس طے کردہ منزل را

ز شوقِ ہند زان سان چشمِ حیرت بر قفا دارم — کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

علی قلی سلیم کہتا ہے :-

نیست در ایران زمین سامانِ تحصیلِ کمال — تا نیامد سوے ہندوستان حنا رنگین نہ شد

قدسی کا بیان ہے :-

در ایران تلخ گشتہ کام جانم — بہ باید شد سوے ہندوستانم

نشیبی اصفہانی کہتا ہے :-

بیا ساقی آبِ حیوان بدہ — ز سرچشمۂ خانِ خانان بدہ

سکندر طلب کرد لیکن نیافت — کہ در ہند بود او بہ ظلمت نتافت

مگر مغل بادشاہون کا دربار صرف سمرقند، بخارا، ایران اور خراسان کے شعرا ہی کے لئے کھلا نہ تھا، بلکہ ہندی شاعری کے اہلِ کمال کو بھی وہی سرپرستی حاصل تھی، ہندی کے ممتاز ترین شعرا کے سرپرست مغل ہی تھے، اکبر کے سایۂ عاطفت مین سور، ہری داس، سوامی، گنگا بھٹ، بابا نرہری پرمانند اور مادھو بڑھے، جہانگیر کے کرم و التفات سے کیشو مصر، تو ہن سیج سینہی اور عثمان

مستفیض ہوئے، شاہجہان کی آغوشِ شفقت مین سندر کاوی ہتیر و منی مصر اور بنارسی داس نے پناہ لی، اورنگ زیب ستی رام، ورندا، اور کالیداس پر خاص نگاہِ کرم رکھتا تھا، بھوشن جو شیواجی کا مادح تھا، ایک عرصہ تک اس کے دربار مین رہا، اعظم، معظم اور فرخ سیر کی سرکار مین بہت سے ہندو شعرا ملازم تھے، متاخرین مین محمد شاہ ہندو شعرا کا بہت قدر دان تھا، اور آنند گھن، سورتی مصر، جگل کشور اور گھنا نند اس کے دربار مین ممتاز شعرا تھے، مغل امرا مین عبد الرحیم خانخانان خود ایک اعلیٰ درجہ کا ہندی شاعر تھا، ہندی شاعری سے اس کا انس مشہور تھا، اورنگ زیب کے عہد مین سید رحمۃ اللہ ساکن جاجمئو بھی ہندی کا ایک قابلِ قدر عالم تھا، بھوشن کے بھائی چنتامنی کی بڑی عزت کرتا تھا اور اس کو خلعت اور بہت سے تحفے عنایت کئے، اسی طرح اور بھی دوسرے امرا تھے، جن کو ضبطِ تحریر مین لانا ممکن نہین،

آپس کے میل ملاپ سے ہندو اور مسلمانون نے اپنی اپنی زبانون مین ایک دوسرے کے الفاظ کو قبول کیا، ہندوستان کے مسلمانون کی فارسی مین ہندوستانی الفاظ، محاورات اور خیالات کی بہتات اتنی ہوتی گئی، کہ ہندوستان اور ایران کی فارسی مختلف ہو گئی، ہندوستانی زبانون مین بھی تغیرات پیدا ہوئے، مغل حکومت سے پہلے شمالی ہند مین پچھم مین راجستھانی اور پورب مین مگھی علمی زبانین تھین، لیکن مغلون کے زمانہ مین ان زبانون کی جگہ برج بھاشا، اودھی اور بندیلی نے لیلی، اور ان ہی کے ساتھ دہلی، دکن اور گجرات مین کھڑی بولی شروع ہوئی، جو اردو کے نام سے مشہور ہوئی،

ہندی شاعری مین فارسی اور عربی کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے گئے، بہاری لال کے سات سو اشعار مین ۱۹۰ الفاظ عربی اور فارسی کے ہین، اور اس عہد کی ہندی تصنیفات مین کئی ہزار الفاظ عربی و فارسی کے ہین، خسرو اور رحیم کے بعض اشعار تو ایسے ہین، جن مین ایک مصرع ہندی یا سنسکرت اور دوسرا مصرع فارسی ہے، چنانچہ ہندی فارسی کی لغت بہت سی لکھی گئین، مثلاً خالق باری

دستور الصبیان، خوان یغما، فرہنگ شیر و شکر وغیرہ،

زبانون کا یہ ارتباط محض میل ملاپ کا نتیجہ تھا، ہندوؤن نے فارسی اس لئے ضرور سیکھی کہ وہ حکومت کی زبان تھی، مگر ان کو اس زبان کے ادب اور علوم کے سیکھنے کا بھی شوق تھا، مسلمانون نے ہندوستانی زبانون کی طرف توجہ کسی سیاسی پالیسی یا تبلیغی مقصد سے نہین کی، بلکہ ان زبانون کی خوبیون نے ان کو اپنی طرف مائل کیا، اور ہندی زبان کبیر، ملک محمد جائسی، رحیم، رسخن، رسلین پر آج بھی فخر کرتی ہے، اسی طرح فارسی زبان مین چندر بھان برہمن، انندرام مخلص، لچھمی نرائن شفیق، برندابن داس اور ٹیک چند بہار کے علمی و ادبی کارنامے اب تک قابلِ قدر ہین،

سنسکرت، پالی، پراکرت کی شاعری مین قافیہ نہین ہوتا تھا، لیکن فارسی شاعری کے اثر سے ہندوستانی شاعری مین قافیہ رائج ہوا، فارسی شاعری کی بعض اصناف کو بھی ہندی شاعری نے قبول کیا، مثلاً قطبن، منجھن اور ملک محمد جائسی نے مرگاوتی، مادھومالتی اور پدماوت مین مثنوی کا طرز اختیار کیا، وہ عام طور سے پانچ یا سات چوپائی کے بعد ایک دوہا لکھتے ہین، اور اسی کی تقلید تلسی داس نے رام چرتر مانس مین کی ہے،

اسی طرح ہندی شاعری کی بعض اصناف کی نقل کرنے کی کوشش بعض فارسی شعرا نے بھی کی، سر سے پاؤن تک جسمانی اجزار کی قلمی تصویرین کھینچنا سنسکرت اور ہندی شاعری کی خصوصیات مین ہے، ضیاء الدین نخشبی نے جزئیات و کلیات، حسن بن محمد شرف الدین نے انیس العشاق اور ایک نامعلوم مصنف نے سراپا مین اس کی تقلید کی ہے، بعض شعرا نے ہندوؤن کے طرز مین رسالے بھی لکھے، عربی مین غلام علی آزاد بلگرامی کی تسلیۃ الفواد اور فارسی مین مرزا محمد بن فخر الدین کی تحفۃ الہند اسکی مثالین ہین،

ہندی اور سنسکرت شاعری مین تخلص نہ ہوتا تھا، لیکن فارسی شاعری کے اثر سے ان مین بھی اس

کا رواج ہوا،

ہندو اور مسلمان اپنی تصنیف اور تالیف کا آغاز حمد و ثنا سے کرتے تھے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یہ حمد و ثنا مصنف کے مذہب کے بجائے زبان کے مذاق کے مطابق کی جاتی تھی، مثلاً ہندو اگر فارسی زبان مین کوئی کتاب لکھتا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتا، اسکی مثالین ہندوؤن کی کتابون مین بکثرت ملین گی، اسی طرح مسلمان ہندی مین کوئی کتاب لکھتا تو اس کا آغاز وہ گنیش سرسوتی یا ہندوؤن کے کسی دیوتا کا نام لیکر کرتا، چنانچہ رحیم نے مدناشٹک، سری گنیش نامہ لکھکر شروع کیا ہے، جہانگیر کے عہد کے ہندی مصنف آحمد نے بھی اپنی تالیف سامدریکا مین یہی کیا ہے، احمد اللہ دکنی نے اپنی تصنیف نایکا بھید مین سری رام جی سہائے، سرسوتی اور گنیش کا نام لیا ہے، یعقوب نے رسابھوشن لکھی، تو سری گنیش جی سری سرسوتی جی، سری رادھا کرشن جی، اور سری گوری شنکر جی کے فضل و کرم کا طالب ہوا ہے، غلام نبی رسلین نے اپنی دو کتابون انگادرپنا، رساپربودھ کا آغاز سری گنیش نامہ لکھکر کیا ہے، اعظم خان نے محمد شاہ کے حکم سے سنگار درپن لکھی، تو راما نوجا کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے، لقمان نامی ایک مؤلف نے طب پر کوئی رسالہ لکھا ہے، اس کا آغاز بھی گنیش جی کی مدح سے ہوا ہے، سید پوہر کی طبی کتاب رس رتناکر مین بھی گنیش جی کیساتھ نیاز مندی دکھائی گئی ہے،

(باقی) "ص ع"

اخبار علمیہ

کلام پاک کا کتب خانہ

میونخ کے ایک کتبخانہ مین قرآن پاک اور اس سے متعلق ہر قسم کا لٹریچر فراہم کیا گیا ہے، یہ پہلے مشہور مستشرق نولدیکی کی زیر نگرانی تھا، اسکی موت کے بعد اوٹو پریٹزل اس کا جانشین مقرر ہوا، اس نے یورپ شمالی افریقہ اور مغرب قریب کے ممالک کی سیاحت کرکے قرآن پاک کے قدیم مخطوطات اور نادر قرآنی لٹریچر فراہم کیا، دس سال کے اندر وہان اتنی کتابین جمع ہو گئی ہین، کہ بلا مبالغہ قرآنی علوم و فنون کا اتنا بڑا ذخیرہ اور کہین نہین پایا جاسکتا ہے، اس کتب خانہ مین قرآنی علوم و فنون کا ایک مفصل اشاریہ کارڈ کے ذریعہ سے تیار کیا جارہا ہے، ہر آیت کے لئے ایک کارڈ ہے، جس مین آیت کی تفسیر اور اس کے ممتاز مفسرون کا حوالہ ہے، جس لفظ کے تلفظ ہجا اور قرأت مین اختلاف ہے اسکی بھی تشریح علحدہ علحدہ کارڈون پر مستند روایتون کیساتھ درج ہے، مختلف مخطوطات مین اعراب اور اوقاف مین جو اختلاف نظر آیا ہے، وہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے، اس طرح قرآن کے متعلق علما و فضلا کی جتنی معلومات و تحقیقات ہین، وہ ان کارڈون کے ذریعہ سے آسانی سے معلوم ہو جاتی ہین، اس کتبخانہ مین اتنی کتابین جمع ہو گئی ہین، کہ ان کو چھاپ کر شائع کرنا ممکن نہین، لیکن ساری معلومات کارڈون کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہین، اور کتب خانہ سے مخطوطات کا فوٹو مل سکتا ہے،

فی الحال کتب خانہ کی طرف سے مندرجہ ذیل کتابین اڈٹ ہوئی ہین،

(۱) کتاب التیسیر للدانی فی القرات السبعة (۲) کتاب المقنع للدانی (۳) کتاب النقط للدانی (۴) کتاب الشواذ لابن خالویہ (۵) طبقات القراء لابن الجزری،

اور حسب ذیل کتابین زیر ترتیب ہین،

(۱) کتاب الابانة فی معانی القراءة لابی محمد مکی (۲) فضائل القرآن لابی عبید قاسم بن سلام (۳) معانی القرآن للفراء (۴) کتاب الحجة لابی علی الفارسی (۵) جامع البیان للدانی (۶) ایضاح الوقف والابتداء لابن الانباری (۷) لطائف الاشارات للقسطلانی (۸) کتاب الجامع المعروف بسوق العروس لابی معشر الطبری،

(بحوالہ اسلامک کلچر، حیدر آباد دکن)

فلپائن مین مسلمان

جزیرۂ فلپائن مین پانچ لاکھ مسلمان آباد ہین جو سات گروہون مین منقسم ہین، پہلا گروہ تاؤسگ کہلاتا ہے، یہ ایک "سلطان" کے ماتحت ہے، جس کا پایۂ تخت جزیرۂ سُولُو مین جولو ہے، اسپینیون نے فلپائن پر چار سو برس تک حکومت کی، لیکن وہ تاؤسگ کو اپنے قبضہ مین نہ لاسکے، حکومت امریکہ نے پندرہ برس کی جنگ کے بعد اب جاکر اس کو زیر کیا ہے، تاؤسگ کے ماتحت کسی زمانہ مین بورنیو اور منداناؤ کے علاقے تھے،

دوسرا گروہ سمل کہلاتا ہے، یہ زیادہ تر ملاح ہین، اور زمبوانگا اور بورنیو کے ساحلون پر آباد ہین، سمل کا ایک فرقہ باجاؤ ہے، جو زیادہ تر سمندرون مین رہتا ہے، اس کو اسلام سے بہت کم لگاؤ رہ گیا ہے، اسکی زبان بھی سمل سے مختلف ہے،

تیسرا گروہ لاناؤ ہے، جو منڈناؤ اور لاناؤ مین آباد ہے، وہ ملایا اور ملکی باشندون سے مخلوط النسل ہو،

یہ لوگ بڑے جنگجو ہین، اسپینی ان کو مغلوب نہ کرسکے تھے، مگر امریکہ نے ۱۹۱۶ء مین مغلوب کرلیا ہے،
چوتھا گروہ لگی ناو انانڈوزی او گرنیڈ کی زرخیز وادی مین آباد ہے، یہ لوگ دھات کے کامون مین
بڑے ماہر ہوتے ہین، اور چھوٹی چھوٹی توبین بنا کر اپنی کشتیون مین ساتھ رکھتے ہین، ان کے علاوہ
اور بھی چھوٹے چھوٹے قبیلے مثلاً یاکن، سینگل، بلوان وغیرہ ہین، ان سب کی زبانین علحدہ علحدہ ہین
مگر سب کا رسم الخط عربی ہے، وہ مذہبی اور تمدنی حیثیت سے پست ہین، اور عیسائی تبلیغی انجمنون کی کوشش
جاری ہین، کہ فلپائن کی پوری آبادی عیسائی بنائی جائے،

چین مین اسلام

ایک انگریز اہل قلم نے China's millions نامی اخبار مین "مسلمانان چین کی مذہبی
سرگرمی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے جس مین وہ رقمطراز ہے، کہ مسلمانون نے بہت سی جگہون مین نئے
نئے اسکول کھولے ہین، اور گذشتہ چند سال مین بیسیون ہفتہ وار اخبارات اور ماہانہ رسائل جاری
ہوگئے ہین، جو اسلام کے نوجوانون کے سامنے بہتر صورت مین پیش کر رہے ہین اور وہ اسلام کے لئے
وہی اصطلاحات استعمال کرتے ہین، جو عیسائی دنیا مین رائج ہین، محمد (صلعم) کی سیرت پر بہت سی نئی
کتابین شائع ہوئی ہین جو پرانے طرز کی سیرت سے بالکل مختلف ہین، ان مین پیغمبر اسلام (صلعم) کو ایک
رحمدل، مصلح اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا محسن و ہمدرد کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے، ابتک محمد (صلعم)
کو ایک بڑے فاتح اور سپاہی کی شکل مین روشناس کیا گیا تھا، مگر اب وہ جلیل القدر ہیرو تسلیم کئے جارہے
ہین، اور انجیل سے ان کی شخصیت ثابت کیجاتی ہے، مسلمان یورپین عیسائی مصنفون کی ایسی تحریرون
کو پریس کے ذریعے سے مشتہر کر رہے ہین، جن سے عیسائی مذہب پر حرف گیری ہوتی ہے، مسلمانون
کو یہ خیال پیدا ہوگیا ہے، کہ چین مین آیندہ اسلام اور عیسائی مذہب مین اقتدار کے لئے تصادم

پیدا ہوگا، اس لئے ان کی کوشش ہو کہ عیسائی مذہب کے بڑھتے ہوئے اثرات کو زائل کیا جائے،

جان ون سنک کا انتقال

لیڈن کے مشہور مستشرق ڈاکٹر آرینٹ جان ون سنک کا گذشتہ ستمبر مین انتقال ہوگیا، یورپین
مستشرقین مین ڈاکٹر موصوف کے علم و فضل کا پایہ نہایت بلند تھا، وہ ۱۸۸۲ء مین پیدا ہوئے، ۱۹۱۲ء
مین لیڈن یونیورسٹی مین عربی کا لکچرر مقرر ہوئے، اور پھر ۱۹۲۷ء مین اسکے شعبۂ عربی کی صدارت تفویض
ہوئی، وہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے چیف اڈیٹر بھی تھے،

ان کو شروع مین سامی زبان سے بڑی دلچسپی تھی، چنانچہ انھون نے سامی علاماتی تخیل پر بہت سے
مقالے لکھے، اس کے بعد وہ سریانی زبان کی طرف مائل ہوئے، اور اس زبان کے صوفیانہ لٹریچر کا گہرا
مطالعہ کیا اور بربیریس کی Mystical treatises of Isaac اور Book of Love
(of Nineveh) کا ترجمہ کیا، پھر سریانی زبان کے صوفیانہ لٹریچر کے نئے معلومات کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی،
مگر وہ اسلامیات کے ایک مستند عالم کی حیثیت سے زیادہ مشہور تھے، فن حدیث پر انھون نے مندرجۂ
ذیل کتابین لکھین،

(۱) Mohammeden de joden te Madina,

(۲) Handbook of Early Mahamadan Tradition

(۳) Concordonce et Indices de la Tradition Muselmane,

(۴) The Muslim Creed

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مین مختلف موضوع پر ان کے مضامین بکثرت ہین،

"ص ع"

مطبوعاتِ جدیدہ

حیاتِ سلطانی مرتبہ منشی محمد امین صاحب زبیری تقطیع بڑی ضخامت ۳۰۶ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عہ پتہ :۔ مصنف سول لائن علی گڈہ سے ملے گی،

ہمارے دوست منشی محمد امین صاحب زبیری نے جن کے قلم سے متعدد مشاہیر کی سوانح عمریان نکل چکی ہین، اور مخدومۂ ملت ہر ہائنس نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ مرحومہ کے عہدہ دار رو بکاری ہونے کی حیثیت سے بیگم صاحبہ مرحومہ کے تمام حالات و واقعات سے پوری طرح واقف ہین، اب حیاتِ سلطانی کے نام سے بیگم صاحبہ مرحومہ کی ایک مفصل سوانح عمری لکھی ہے، موصوف ایک پرانے اہل قلم ہین اور سوانح نگار اور خصوصًا ان بزرگون کی سوانح عمریون کے لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ رکھتے ہین، جن کے ساتھ ان کی زندگی مین رہنے اور دیکھنے کا موقع ان کو ملا ہے، بیگم صاحبہ مرحومہ کی متعدد حیثیتین ہین، وہ ایک فرمانروا تھین، ان کے تعلقات خاندان کے ساتھ، رعایا کے ساتھ، حکومت کے ساتھ، اپنی قوم کے ساتھ، اور قوم و ملک کے اکابر کے ساتھ بہت اہم رہے ہین، اس اہمیت کے نازک مرحلون سے قلم کا بسلامت گذرنا مشکل ہو، مگر مصنف کی پختہ کاری، تجربہ اور مسائل پر کامل عبور ان مرحلون کو کامیابی کے ساتھ طے کرنے مین پوری طرح ممد و معاون ہوا ہے، ہم موصوف کو مبارکباد دیتے ہین، کہ اس نازک فرض سے جن کے حقوق کے بوجھ کے نیچے ہم سب دبے ہوئے تھے، اور جن کے احسانات سے قوم اور ملک کا ایک ایک گوشہ گرانبار ہے، وہ بہت اچھی طرح عہدہ برآ ہوئے ہین، اور اُس گرانمایہ ہستی کی تصویرکشی مین جو اپنے زمانہ کی سب سے محبوب شخصیت تھی، اور جو اپنی بلند حوصلگی، اولوالعزمی، اسلامی اخلاص و محبت اور علم پرستی کیلئے

ہمیشہ نامور رہے گی، اور جس کا نام دنیا ہمیشہ عزت سے لیگی، منشی محمد امین صاحب کے موقلم نے بہترین مہارتِ فن کا ثبوت دیا ہے،

"س"

مسولینی کی آپ بیتی مترجمہ جناب بادشاہ حسین صاحب حیدرآبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۵ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مسولینی کی آپ بیتی کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانون مین ہوچکا ہے، اردو مین یہ کام جناب بادشاہ حسین صاحب حیدرآبادی نے انجام دیا ہے، مسولینی کی پوری زندگی جدید اٹلی یا فاسزم سے وابستہ ہے، اس لئے یہ کتاب انہی دونون کی سرگذشت ہے، جنگ عظیم مین گو اٹلی فاتح ملکون مین تھا، لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس کا انجام کچھ بہتر نہ تھا، کثیر جانی و مالی نقصان اٹھانے کے باوجود مالِ غنیمت مین سے اُسے کچھ نہ ملا، بلکہ خود اس کے بعض پرانے مقبوضات بھی خطرے مین پڑگئے تھے، جنگ کے سیاسی و اقتصادی اثرات کی وجہ سے ملک مین عام تباہی اور بدنظمی پھیل گئی تھی، اشتراکیت کا افسون سارے ملک پر چھارہا تھا، حکومت قیامِ نظم اور ملک کی صلاح و فلاح سے عاجز تھی، ان حالات مین مسولینی کو جو اس وقت اپنے جنگی اور سیاسی خدمات کی وجہ سے کافی روشناس ہوچکا تھا، ملک کی فلاح فاسزم مین نظر آئی، چنانچہ وہ اشتراکیت کے مقابلہ مین اس تحریک کو لیکر اٹھا، حکومت اور ملک دونون کی جانب سے اسکی ہر ممکن مخالفت ہوئی، اور اسکی راہ مین طرح طرح کی مشکلات پیدا کی گئین، لیکن وہ پوری ہمت اور استقلال سے اپنا کام کرتا رہا، اور بڑے بڑے ہنگامون اور انقلابات کے بعد بالآخر تمام مخالفتون پر غالب آیا، اور تمام مخالف جماعتون کا خاتمہ کر کے فاسستی حکومت قائم کردی، اور اس کا لوہا ساری دنیا سے منواکر بوسیدہ اٹلی کو ایک طاقتور حکومت بنا دیا، یہ آپ بیتی اسی سرگذشت کی تفصیل ہے، ترجمہ بُرا نہیں ہے، لیکن لائق مصنف نے اصل کتاب کے انداز بیان کو قائم رکھنے کی کوشش کی ہے، اس لئے ترجمہ مین سلاست و روانی نہ پیدا ہوسکی،

حکایاتِ رومی، حصہ اول مترجمہ مرزا نظام شاہ صاحب لبیب تقطیع بڑی ۱۴۸ صفحے،

کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عمر پتہ انجمن ترقی اردو نئی دہلی،

مثنوی مولینا روم کی حکایتین علم و حکمت اور اخلاق و موعظت کا دفتر ہین، لیکن ان کا افادہ ارباب علم تک محدود ہے، عام لوگ اس سے فائدہ نہین اٹھا سکتے، بہت سے اہل علم نے مختلف حیثیتون سے اسے سہل بنانے اور اس کے افادہ کو عام کرنے کی کوشش کی "حکایات رومی" بھی اسی قبیل کی ایک مفید کوشش ہے، اس مین لائق مترجم نے مثنوی کے پہلے تین دفترون کی منتخب اور سبق آموز حکایتون کو سلیس اردو مین منتقل کر دیا ہے، جو حکایتین خالص مذہبی ہین، اور جن کا تعلق محض مسلمانون کے عقائد سے ہے، یا جنکی ظاہری عریانی انھین بچون اور عورتون کو سامنے لانے کی اجازت نہین دیتی، ان کو خارج کر دیا گیا ہے، زیادہ طویل اور پیچیدہ حکایتون کا صرف خلاصہ لے لیا گیا ہے، اس طرح سے اس کتاب مین ابتدائی دفترون کی حکایتون کا جوہر آگیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، سید ہاشمی صاحب فرید آبادی کے قلم نے اُسے اور زیادہ روان کر دیا ہے، جس سے عورتین بچے اور کم استعداد لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین، انجمن ترقی اردو نے یہ کتاب شائع کرکے بہت مفید خدمت انجام دی ہے، امید ہے کہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلد شائع ہوگا،

اخوان الصفا، مترجمہ مولوی اکرام علی تقطیع بڑی ضخامت ۱۵۵ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ انجمن ترقی اردو ہند نئی دہلی،

فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام جو کتابین تالیف و ترجمہ ہوئین تھین انہین ایک اخوان الصفا بھی ہے، یہ اخوان الصفا کے مشہور مجموعۂ رسائل کے ایک رسالہ کا ترجمہ ہے، جس مین انسانون اور حیوانون کے درمیان مناظرہ اور دلائل سے حیوانون پر انسانون کی فضیلت ثابت کی گئی ہے اس کے مترجم فورٹ ولیم کالج کے ایک کارکن مولوی اکرام علی تھے، ترجمہ کی زبان اس زمانہ کی سادگی اور گھلاوٹ کا نمونہ ہے، اس کتاب کے بہت سے اڈیشن شائع ہوئے لیکن اب کمیاب ہو گئے

علاوہ ان مین غلطیان بہت ہین، اسلئے انجمن ترقی اردو نے بڑے اہتمام سے کئی نسخون سے مقابلہ و تصحیح کے بعد یہ صحیح اڈیشن شائع کیا ہے،

معارف جمیل مصنفہ حکیم آزاد انصاری تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۵۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عار پتہ:- کاشانۂ بازار گھانسی حیدرآباد دکن،

حکیم آزاد انصاری مولینا حالی کے دور کی یادگار اور ہندوستان کے کہنہ مشق شاعر ہین، ان کی مشق سخن پر تقریباً نصف صدی گذر چکی ہے، معارف جمیل ان کے کلام کا مجموعہ ہے، ابتدا مین مصنف کے قلم سے اپنے سوانح اپنی شاعری کی تاریخ اور اسکی خصوصیات پر تبصرہ ہے، یہ تبصرہ خود اتنا مفصل ہے، کہ اس پر کسی اضافہ کی گنجائش نہین ہے، حکیم آزاد انصاری جیسے کہنہ مشق شاعر موجودہ دور مین کم نکلین گے، ان کا کلام قدیم و جدید طرز کے خوشگوار امتزاج اور دونون کے محاسن کا بہت اچھا نمونہ ہے، کلام کی پختگی، زبان کی سادگی سلاست اور صفائی ان کی شاعری کی ممتاز خصوصیات ہین، یہ وصف ان کے کلام مین سہل ممتنع کی حد تک پہونچ گیا ہے، ان کے کلام مین کم اشعار ایسے نکلین گے، جن کی نثر بنانے مین الفاظ کی ترتیب مین کوئی فرق پیدا ہو، یہ وہ خصوصیت ہے جسکی مثال دل کسی شاعر کے کلام مین مل سکتی ہے، ہر شعر ڈھلا ہوا سکہ ہے، یون تو ہر شاعر کے کلام مین کچھ اشعار ایسے نکل آتے ہین، لیکن غالب حصہ مین یہ وصف کسی کے کلام مین نظر نہ آئے گا، یہ صرف جناب آزاد کا حصہ ہے، معنوی اعتبار سے بھی ان کا کلام نہایت پاکیزہ اور حکیمانہ ہے، عاشقانہ رنگ تمامتر داخلی اور رکیک و سوقیانہ جذبات سے پاک ہے، حکمت و فلسفہ اور اخلاق و فلسفہ کی آمیزش نے اس بادہ کو شراب طہور بنا دیا ہے، اس مختصر تبصرہ مین اس سے زیادہ تفصیل سے لکھنے کی گنجائش نہین ہے، اور نہ کلام آزاد کیلئے اسکی ضرورت ہے کہ اسکی خصوصیات صاحب ذوق طبقہ مین معلوم ہین، مختصر یہ ہے کہ ان کا کلام ظاہری اور معنوی دونون اعتبار سے قابل تقلید نمونہ ہے،

ہندوستان مین زراعت کا مسئلہ از جناب ڈاکٹر زین العابدین احمد صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۶۲ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت:- ۴ر

پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

اس مختصر رسالہ مین ہندوستان مین زراعت کی ابتری اور کسانون کی تباہ حالی کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے، تمہید مین دکھایا گیا ہے، کہ ہندوستان ہمیشہ سے زرعی ملک نہ تھا، بلکہ صنعت و حرفت مین بھی اس کا حصہ تھا، ہندوستان سے خام پیداوار کے حصول اور یہان ولایتی مصنوعات کی کھپت کے لئے عمداً اسے زرعی بنایا گیا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے، کہ آج ملک کے بڑے حصہ کی زندگی کا مدار زراعت پر ہے، اس کے بعد کاشتکارون کی تباہی کے اسباب: زمین کی قلت، کاشتکارون کی کثرت، کھیت کے رقبون، کسانون کی محنت و اخراجات زراعت کے مقابلہ مین پیداوار اور ہندوستان کی اوسط آمدنی کی غیر معمولی کمی، دیہی قرضون کی تباہیان، حقیت اراضی کے قوانین کے بُرے نتائج وغیرہ، تمام اسباب کو مع اعداد و شمار کے دکھایا گیا ہے،

وداع راشد، از جناب رازق الخیری صاحب، تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ دفتر عصمت دہلی،

مولینا راشد الخیری کی وفات پر ان کے فرزند جناب رازق الخیری صاحب نے یہ مضمون ماہ جون ۱۹۳۶ء کے عصمت مین لکھا تھا، جسے اب کتابی شکل مین شائع کر دیا ہے، اس مین مولینا مرحوم کی علالت اور وفات کے تفصیلی حالات ہین، مرحوم کی شخصیت کے اعتبار سے یون بھی یہ ایک یادگار مضمون ہے، پھر نامور باپ کی وفات کے حالات کو دردمند بیٹے کے قلم نے قدرۃً موثر بنا دیا ہے، اسلئے یہ مضمون مختلف حیثیتون سے سبق آموز اور مطالعہ کے لائق ہے،

"م"

"جلد ۴۵" ماہ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۰ء "عدد ۴"

مضامین